اللہ جل جلالہ
خطباتِ فقیر
جلد سوم
محبت الٰہی
معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
عاجزی وانکساری
دنیا کی مذمت
دینی مدارس کی اہمیت
صحبت صلحاء
عظمت قرآن
پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003

از افادات :

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

- محبت الٰہی
- معراج النبی ﷺ
- عاجزی وانکساری
- دنیا کی مذمت
- دینی مدارس کی اہمیت
- صحبت صلحاء
- عظمت قرآن

مرتب : محمد حنیف نقشبندی مجددی

ناشر مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

نام کتاب ——— خطبات فقیر جلد سوم

از افادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— محمد حنیف نقشبندی مجددی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اول ——— نومبر 1999ء

اشاعت دوم ——— نومبر 2000ء

اشاعت سوم ——— اکتوبر 2001ء

اشاعت چہارم ——— جون 2003ء

اشاعت پنجم ——— جون 2004ء

اشاعت ششم ——— مئی 2005ء

اشاعت ہفتم ——— مارچ 2006ء

اشاعت ہشتم ——— اپریل 2007ء

اشاعت نہم ——— جنوری 2008ء

اشاعت دہم ——— اکتوبر 2008ء

اشاعت گیارہ ——— مارچ 2009ء

اشاعت بارہ ——— اکتوبر 2009ء

اشاعت تیرہ ——— مئی 2010ء

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— فقیر شاہد محمود نقشبندی

تعداد ——— 1100

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

مادہ پرستی کے اس پر آشوب دور میں اخلاق رذیلہ نے دلوں کی بستیوں کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے۔ حب جاہ اور حب مال نے انسان کے اندر جھوٹ، لالچ، غیبت، دھوکہ دہی، بغض اور خود غرضی جیسے زہریلے جراثیم پیدا کر دیئے ہیں۔ علاوہ ازیں خواہشات نفسانی کے گھوڑے اس قدر بے لگام ہو چکے ہیں کہ ان کی لگامیں اطاعت ربانی اور اتباع رسول اللہ ﷺ کی طرف موڑنے کے لئے بہت زیادہ قوت ایمانی کی ضرورت ہے۔ یہ قوت ایمانی حاصل کرنے کے لئے اہل دل حضرات کا وجود مسعود اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ ان اولیاء اللہ کے قلوب پر عرفان الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ وہ جس انسان کے دل پر باطن توجہ ڈالتے ہیں وہ دل گل و گلزار بن جاتا ہے۔ ان کے فرامین عرفان الٰہی کی اس پھوار کی مانند ہیں جو انسانی دلوں میں بہار پیدا کر دیتی ہے۔

زیر نظر کتاب ایک ایسی نابغہ روزگار شخصیت، پیر طریقت، رہبر شریعت، شیخ العرب والعجم، محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالی مادامت النہار واللیالی کے خطبات بابرکات کا ایک نادر مجموعہ ہے۔ یہ اس کا مطالعہ کرنے والوں کو گویا زبان حال سے یوں فرما رہے ہوں۔

مجھے درد دل ملا ہے سن لو اے دنیا والو
میں فقیر بے نوا ہوں مجھے مل گئی ہے شاہی

جس طرح اللہ والوں کی صحبت سے محبت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور دنیا کی رغبت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے اسی طرح ان خطبات کا مطالعہ بھی قارئین کے دلوں میں محبت الٰہی پیدا

کرتا ہے اور دنیا سے بے رغبتی نصیب ہو جاتی ہے۔ دوران مطالعہ قارئین کو بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حضرت اقدس دامت برکاتہم کی محفل میں بیٹھے سن رہے ہوں اور جب کوئی بات قارئین کے حسب حال سامنے آتی ہے تو یوں لگتا ہے گویا خود حضرت اقدس دامت برکاتہم علیحدگی میں بیٹھے سمجھا رہے ہوں۔ علاوہ ازیں ان خطبات کے انداز بیان میں اتنی شیرینی ہے کہ قارئین کے دلوں میں معرفت الٰہی کا رس گھول دیتے ہیں۔

اس عاجز نے تمام خطبات لکھ کر حضرت اقدس دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں تصحیح کے لئے پیش کئے۔ آپ نے اپنی گوناگوں بین الاقوامی مصروفیات کے باوجود ان خطبات کی نہ صرف تصحیح ہی فرمائی بلکہ ان کی ترتیب و تزئین کو پسند بھی فرمایا۔

قارئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس کتاب کی ترتیب میں اگر کہیں کمی بیشی پائیں تو وہ اس عاجز کی طرف ہی منسوب کریں اور اس کمی بیشی سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اس طرح آیندہ ایڈیشن میں درستی کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔

ان خطبات کی ترتیب میں جناب بھائی محمد سلیم صاحب (مرتب کے ہم زلف) ڈاکٹر شاہد محمود صاحب (ناظم جامعۃ الحبیب فیصل آباد) اور حکیم عبدالعبور صاحب نے قلمی تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر جزیل نصیب فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

اللہ رب العزت اس عاجز کو مرتے دم تک حضرت اقدس دامت برکاتہم کے زیر سایہ ''خطبات شریف'' کی ترتیب و تزئین کی ذمہ داری حسن و خوبی سر انجام دینے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

فقیر محمد حنیف عفی عنہ

ایم اے۔ بی ایڈ

موضع باغ، ضلع جھنگ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ o سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o

وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ oوَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

تعینِ اوّل :

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: کُنْتُ کَنْزًا مُخْفِیًّا میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ پس میں نے مخلوق کو پیدا فرمادیا۔ یعنی مخلوق کو پیدا کرنے کا جو چیز ذریعہ بنی وہ محبت تھی۔ گویا تعین اول تعین حبی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پسند :-

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اب چاہتے کیا ہیں؟ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔ یہ میرے ایسے بندے بن کر رہیں کہ ان کے دل میری محبت سے لبریز ہوں، ان کے دلوں پر ...ری محبت چھائی ہوئی ہو۔ یعنی ان کے دلوں میں اللہ آیا ہوا ہو، ان کے دلوں میں اللہ سمایا ہوا ہو، بلکہ ان کے دلوں پر اللہ چھایا ہوا ہو۔

کامل مومن کی نشانی :

انسان کے جسم کے ہر عضو کا کوئی نہ کوئی کام ہے۔ آنکھ کا کام ہے دیکھنا، کان کا

کام ہے سننا، زبان کا کام ہے بولنا اور دل کا کام ہے محبت کرنا۔ دل یا تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا یا پھر مخلوق سے۔ اس کے دل میں یا تو آخرت کی محبت ہو گی یا پھر دنیا کی۔ آخرت کی محبت سے دل میں نیکی کا شوق پیدا ہوتا ہے جب کہ دنیا کی محبت کے بارے میں حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ حُبُّ الدُّنْیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ مشائخ کرام نے اس کی آگے پھر تفصیل بیان کردی کہ وَتَرْکُھَا مِفْتَاحُ کُلِّ فَضِیْلَۃٍ اس کا ترک کر دینا ہر ایک فضیلت کی کنجی ہے۔ دنیا کی محبت کا دل سے نکل جانا اور پروردگار کی محبت دل میں سما جانا کامل مومن ہونے کی نشانی ہے۔

صفات اور صاحب صفات سے اللہ تعالیٰ کی محبت :

قرآن پاک میں مومنین کی کچھ صفات بیان کی گئی ہیں۔ جو اللہ رب العزت کو اتنی پسندیدہ ہیں کہ مولا کریم نے ان صفات والے بندوں کے بارے میں اعلان فرمادیا کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ مثلاً فرمایا وَاَحْسِنُوْا تم نیکی کرو، نیکوکار بن جاؤ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ بے شک اللہ رب العزت نیکوکاروں سے محبت فرماتے ہیں۔ وَیُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ اللہ رب العزت کو ان صفات سے محبت ہے۔

جس انسان میں یہ صفات آجائیں گی وہ انسان بھی اللہ رب العزت کا محبوب بن جائے گا۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ ان تمام صفات کے جامع تھے۔ یہ کمالات نبی کریم ﷺ میں نقطہء کمال تک موجود تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ اللہ رب العزت کے

محبوب بنے۔ اسی طرح آج بھی ان صفات کو پیدا کرنے کے لئے جو بندہ محنت کرے گا اللہ رب العزت اس بندے سے بھی محبت فرمائیں گے۔ رنگ کا گورا ہو یا کالا، عجم کا ہو یا عرب کا، پروردگار کی نظر میں کوئی فرق نہیں۔ وہاں تو دل کی حالت کو دیکھتے ہیں۔ نام بلالؓ ہے، ہونٹ موٹے ہیں، شکل انوکھی ہے، رنگ کالا ہے، مگر دل محبت الٰہی سے لبریز ہے۔ اس محبت کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور پاؤں کی چاپ (آواز) جنت میں سنائی دیتی ہے۔ اللہ اکبر۔

ایک مستند دلیل :

وہاں تو محبت مطلوب ہے۔ اس کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شرک سے نفرت ہے۔ جس کے بارے میں اپنے محبوب تک کو خطاب فرمادیا کہ اے میرے محبوب ﷺ! لَئِنْ اَشْرَكْتَ اگر آپ بھی شرک کریں گے۔ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ آپ کے کئے ہوئے عملوں کو ہم ضائع کر دیں گے۔ چونکہ صفات سے اللہ رب العزت کو محبت ہے اس لئے اگر وہ صفات نکل جائیں گی اور انسان کے اندر ان کی ضد آجائے گی تو اللہ رب العزت کو ایسے بندے ناپسند ہوں گے۔ لہٰذا اگر بندہ چاہے کہ وہ اللہ رب العزت کی نظر میں محبوب بن جائے تو اسے اپنے اندر وہ صفات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت :

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ہر سنت سے محبوبیت کی ایک مقدار بندھی ہوئی ہے۔ جس سنت پر عمل ہو گیا، اتنی محبوبیت بڑھ گئی۔ حتیٰ کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک جس نے نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کیا وہ سارے کا سارا

انسان اللہ کی نظر میں محبوب بن گیا۔ اب یہ معاملہ ہم پر ہے کہ ہم کتنی سنتوں کو اپناتے ہیں اور اللہ رب العزت کی نظر میں محبوب بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا، قُلْ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو فَاتَّبِعُوْنِیْ تم میری اتباع کرو یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ رب العزت تم سے محبت فرمائیں گے۔

دلائل سے وضاحت :

کوئی آدمی کہہ سکتا ہے کہ جی کیا دلیل ہے کہ بندوں سے اللہ رب العزت کو محبت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان بھی ہے، کریم بھی ہے۔ اللہ کی سو صفات ہیں مگر یہ دلیل کہاں کہ اللہ رب العزت کو محبت ہے؟ اس کے بارے میں علمائے کرام نے دلائل لکھے ہیں۔ ایک موٹی سی دلیل جو عام بندے کی سمجھ میں بھی آسکتی ہے یہ دی کہ جب کسی سے بندے کو محبت ہو تو بندہ اپنے محبوب کو جو مرضی آئے دیتا ہے اور خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، وہ اسے تھوڑا ہی سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں تو کچھ اور بھی کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ محبت جو ہوتی ہے۔ اور اگر محبوب تھوڑا سا کچھ اسے دے دے تو وہ اسے بہت زیادہ سمجھتا ہے، پھولے نہیں سماتا کہ محبوب نے مجھے تحفہ اور ہدیہ بھیجا ہے۔ اسی اصول کو قرآن میں دیکھئے۔ اللہ رب العزت نے بندوں کو دنیا کی ہزاروں نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ نعمتیں عطا فرمائیں مگر ان تمام نعمتوں کو سامنے رکھ کر فرمادیا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی متاع تو تھوڑی سی ہے۔ مگر جب اس کے بندے نے اپنے پروردگار کو لیٹے یا بیٹھے تھوڑی دیر کیلئے یاد کیا۔ عمل اگرچہ تھوڑا سا تھا، چند ساعت کا عمل یا سو پچاس سال کی زندگی کا عمل مگر چونکہ محبوب کی طرف سے عمل ہوا تھا، اس لئے ارشاد ہوا يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ سبحان اللہ! جو محبوب نے عمل کیا اس کیلئے کثیر کا لفظ استعمال فرمایا اور جو خود عطا فرمایا اس کیلئے قلیل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت کو اپنے بندوں سے محبت ہے۔

قرآن مجید میں بھی اللہ رب العزت نے اس محبت کا اظہار کر دیا ہے، فرمایا اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔ حالانکہ یوں بھی فرما سکتے تھے کہ جنہوں نے کلمہ پڑھا وہ اللہ کے دوست ہیں، حق بھی یہی بنتا تھا۔ مگر نہیں، محبت کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اسی لئے اس نسبت کو اپنی طرف کیا۔ سبحان اللہ! کیا کریمی ہے اس پروردگار کی! اس بندے کی کتنی ہمت بندھائی کہ اس نے کلمہ پڑھ کر تصدیق کی اور پروردگار نے محبت کا اعلان فرمادیا۔ سبحان اللہ

کفار سے محبت کرنے کی مذمت :

اللہ تعالیٰ کو ایمان کے ساتھ ذاتی محبت ہے اور کفر کے ساتھ ذاتی عداوت ہے۔ لہٰذا جو کوئی آدمی کفار کے طریقے کو پسند کرے گا اس کے بارے میں فرمایا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا ہم اسی قوم سے اس کو اٹھائیں گے۔ جو کفار کے رسم رواج، عادات، لباس یا کسی اور چیز سے بھی محبت کرے گا گویا وہ اللہ رب العزت کی محبت سے محروم ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ ہندوؤں کی دیوالی کا دن تھا۔ ہندو لوگ دکانوں مکانوں اور انسانوں پر رنگوں کا چھڑکاؤ کر رہے تھے۔ ایک بوڑھا مسلمان کسی گدھے کے پاس سے گزرا تو گدھے پر پان والی تھوک پھینک کر کہا، تجھے ہندوؤں نے رنگین نہیں کیا، لو میں تمہیں رنگ دیتا ہوں۔ وہ بڑے میاں جب فوت ہوئے تو کسی کو خواب میں ملے۔ حال پوچھنے پر کہا کہ میں سخت عذاب میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو کفار کے ساتھ میری اتنی سی مشابہت بھی پسند نہ آئی۔ اللہ اکبر

اللہ تعالیٰ کا کوئی بدل نہیں :

دنیا کی ہر مالی چیز کا بدل ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا بدل تو امکان سے بھی خارج ہے۔ شاعر نے کہا

لِكُلِّ شَيْءٍ اِذَا فَارَقْتَهٗ عِوَضٌ
وَلَيْسَ لِلّٰهِ اِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضٍ

دنیا کی کسی بھی چیز سے تو جدا ہوا تو تیرے لئے بدل ہو گا اگر تو اللہ تعالیٰ سے جدا ہو گیا تو تیرے لئے کوئی بدل ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی دو بڑی وجوہات :

اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں کیوں ہونی چاہیے ؟ اس کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے دو وجوہات بہت بڑی ہیں۔

پہلی وجہ :

ایک تو یہ کہ عام دستور ہے کہ بندے کے اوپر جس کی مہربانیاں۔ اور عنایات ہوں وہ اپنے محسن کا ممنون بھی ہوتا ہے اور اس سے محبت بھی کرتا ہے۔ میرے دوستو! ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ذرا شمار تو کر کے دیکھیں مگر وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا کے مصداق ایک ہی نتیجہ نکلے گا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن ہی نہیں سکتے۔ آپ سوچئے تو سہی کہ کوئی آدمی بارش کے قطروں کو گن سکتا ہے ؟ نہیں گن سکتا۔ سارے سمندروں کے پانی کے قطروں کو گن سکتا ہے ؟ نہیں گن سکتا۔ ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کو گن سکتا ہے ؟ نہیں گن سکتا۔ آسمان کے ستاروں کو گن سکتا ہے ؟ نہیں گن سکتا۔ تاہم یہ عاجز ذمہ داری کے ساتھ

عرض کر رہا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ آسمان کے ستاروں کو گن لیا جائے' یہ ممکن ہے کہ دنیا کے سمندروں کے پانی کے قطروں کو گن لیا جائے' یہ ممکن ہے کہ ساری دنیا کی ریت کے ذرات کو گن لیا جائے لیکن میرے دوستو! اللہ رب العزت کی نعمتوں کو گننا انسان کیلئے ممکن نہیں ہے۔ اگر وہ پروردگار بینائی عطا نہ کرتے تو ہم نابینا ہوتے، اگر وہ گویائی عطا نہ فرماتے تو ہم گونگے ہوتے، اگر سماعت عطا نہ کرتے تو ہم بہرے ہوتے، اگر وہ پاؤں نہ دیتے تو ہم لنگڑے ہوتے' ہم لولے ہوتے، اگر وہ صحت نہ دیتے تو ہم بیمار ہوتے، اگر وہ مال نہ دیتے تو ہم غریب ہوتے، اگر وہ عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے، اگر وہ اولاد نہ دیتے تو ہم لاولد ہوتے، اگر وہ سکون نہ دیتے تو ہم پریشان ہوتے۔

میرے دوستو! یہ پروردگار کی نعمتیں ہی تو ہیں کہ ہم عزت بھری زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ کوئی ہمارا کمال ہے؟ نہیں' یہ کمال والے کا کمال ہے۔ اگر وہ کسی کی حقیقت ظاہر کردے تو ہم میں سے کوئی ناپ تول کے قابل نہیں ہے۔ کون ہے جو اپنے آپ کو محاسبہ کیلئے پیش کر سکے۔ ایک بزرگ نے اکمال الشیم میں ایک بات لکھی ہے۔ وہ سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی جس نے اپنی رحمت کی چادر سے چھپایا ہوا ہے۔ تو چونکہ عام دستور کے مطابق انسان اپنے محسن سے محبت کرتا ہے اس لئے ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات کو سامنے رکھ کر اس سے محبت کریں۔ کہتے ہیں ناں "جس کا کھایئے اس کے گن گایئے"۔ اسلئے ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم اللہ رب العزت کی یاد دل میں رکھیں اور اسی کے حکموں کے مطابق زندگی گزاریں۔

دوسری وجہ :

دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ قادر مطلق اور فاعل حقیقی وہی ذات ہے۔ وہی فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ ہے ہونا تو وہی ہے جو وہ چاہے گا۔ کیا نہیں دیکھتے کہ سیدنا نوح علیہ السلام چاہتے ہیں کہ میرا بیٹا بچ جائے، اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں مگر وہی ہوا جو اللہ رب العزت نے چاہا، آنکھوں کے سامنے بیٹا غرق ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ قربانی دینے کیلئے تیار ہیں فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ باپ نے بیٹے کو لٹالیا، چھری اوپر رکھ کر پھیرنا چاہتے ہیں، باپ ذبح کرنا چاہتا ہے اور بیٹا ذبح ہونا چاہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے لہٰذا وہاں بیٹے کی جائے کوئی اور جانور ذبح ہو جاتا ہے۔ اللہ کے محبوب ﷺ چاہتے ہیں کہ آپ کے چچا ابو طالب ایمان لے آئیں۔ اس کیلئے بہت کوششیں فرمائیں حتیٰ کہ آخری وقت میں فرمایا، میرے چچا! میرے کان میں کلمہ پڑھ لیں میں قیامت کے دن گواہی دے دوں گا مگر اللہ رب العزت فرماتے ہیں، اے میرے محبوب ﷺ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں بلکہ جسے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اسے ہدایت دیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ پانی میں شہد ملا کر نوش فرمایا کرتے تھے۔ کسی وجہ سے آپ ﷺ نے ارادہ فرمالیا کہ آج کے بعد شہد ملا پانی نہیں پیوں گا۔ مگر اللہ رب العزت نہیں چاہتے کہ ایسا ہو، لہٰذا ارشاد فرمایا يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O

میرے دوستو! جب یہ انبیاءؑ اور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اللہ رب العزت کے سامنے عاجز ہیں اور ان کی بھی وہی بات پوری ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو پھر کیوں نہ ہم بھی اسی پروردگار عالم کی محبت کا دم بھریں۔

تکمیل ایمان کا معیار :

بلکہ جس سے وہ پروردگار محبت فرمائے اس سے محبت کریں اور جس سے اس کو عداوت ہے ہم بھی اس کے ساتھ عداوت رکھیں۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں آیا

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ

کہ جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کی، اللہ تعالیٰ کیلئے نفرت کی، اللہ تعالیٰ کیلئے ہی دیا اور اللہ تعالیٰ کیلئے منع کیا اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔ تو سیدھی سی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہمیں اپنے پروردگار سے محبت کرنی ہے۔ یہ محبت اور عشق جب تک دل میں نہیں ہوگا اس وقت تک ایمان حقیقی کی لذت نصیب نہیں ہوگی۔

انسان کی پانچ خامیاں

اب ایک اور انداز میں بات کو سمجھنے کی کوشش کریں...... جس مشین کو کسی نے بنایا ہو وہ اس کی صفات اور نقائص کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اس لئے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان کا حدود اربعہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں انسان کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں مثلاً اشرف المخلوقات فرمایا گیا وہاں اس انسان کی پانچ خامیوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

انسان ظالم ہے :

ایک خامی یہ ہے کہ ظَلُوْمًا یعنی یہ ظالم ہے۔ لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ کسی میں ظلم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں عدل کے ہونے کی استعداد موجود ہے۔

انسان جاہل ہے:

دوسری خامی یہ بتائی کہ **جَھُوْلاً** یعنی انسان جاہل ہے۔ یہاں بھی دیکھیں کہ جاہل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں علم حاصل کرنے کی استعداد موجود ہے۔ گویا یہ دو الفاظ (ظالم اور جاہل) جہاں انسان کے عیب ظاہر کرتے ہیں وہاں اس خوبیوں کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ اگر انسان محنت کرے گا تو یہ اپنے ظلم کو عدل میں اور اپنے جہل کو علم میں بدل سکتا ہے اور اگر یہ محنت نہ کرے تو یہ ظالم بھی ہوگا اور جاہل بھی۔

انسان کمزور ہے:

تیسری خامی بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا **خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا** کہ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے انسان کو ضعیف البنیان کہتے ہیں۔ یہ اتنا کمزور ہے کہ اس کے دماغ میں ایک **Fear of unknown** (اجنبی سا خوف) ہر وقت رہتا ہے۔ دیکھئے کہ امریکہ کا صدر بل کلنٹن اپنے آپ کو سپر پاور کہتا ہے مگر نجومی کو بلا کر پوچھتا ہے کہ اگلے دنوں میں میرا کیا بنے گا۔ مادی اعتبار سے اتنی طاقت ہے کہ اس کے ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول ہے مگر کمزور ہونے کی وجہ سے اندر ڈر بھی ہے کہ پتہ نہیں مستقبل میں میرے ساتھ کیا ہوگا۔ انسان اتنا کمزور ہے کہ ایک چھوٹا سا وائرس اسے بیمار کر دیتا ہے اور حکیم ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ لاعلاج مرض ہے۔ حالانکہ وہ وائرس اور جرثومہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ انسان آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکتا مگر وہی چھوٹا سا جرثومہ انسان کو موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔

انسان جلد باز ہے:

چوتھی خامی یہ بتائی کہ **وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا**۔ عجولا کا مطلب ہے

جلدباز۔ یہ انسان اپنی سرشت کے اعتبار سے جلدباز ہے۔ چنانچہ چار دن نوافل پڑھے گا اور پانچویں دن امید کرے گا کہ شبلیؒ اور جنید بغدادیؒ کی طرح میری دعائیں قبول ہونی چاہئیں۔ ایک دعا کو دو دفعہ مانگ لے تو کہتا ہے کہ اب تو یہ دعا ضرور پوری ہونی چاہئے۔ اللہ کے بندے! اللہ رب العزت نے نماز کا حکم ساڑھے سات سو مرتبہ سے زیادہ دیا، اس کو تو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا مگر خود اگر کسی کو تین دفعہ ایک کام کہہ دے تو چوتھی دفعہ غصہ سے آنکھیں سرخ کر کے کہتا ہے کہ تو نے سنا نہیں، تجھے تین دفعہ کہا ہے۔ اس مالک الملک نے، اس احکم الحاکمین نے لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جس کے ہاتھ میں آسمان اور زمین کی کنجیاں ہیں ساڑھے سات سو مرتبہ سے زیادہ نماز کا حکم دیا مگر ہم اللہ اکبر کی آواز سن کر پھر بھی مسجد میں نہیں آتے تو ہم نے اس کے حکم کا کیا بھرم رکھا؟ یہ انسان کی جلدبازی ہی ہے کہ تھوڑی سی محنت پر بڑی بڑی توقعات وابستہ کر لیتا ہے۔

انسان تھوڑے دل والا ہے:

پانچویں خامی یہ بیان فرمائی کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا . ھلوعا عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "تھوڑ دلا"، جی کا کچا، تھوڑے دل والا۔ تو یہ انسان تھوڑے دل والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوشی ملنے پر پھول جاتا ہے اور تھوڑی سی پریشانی آنے پر مرجھا جاتا ہے۔ اگر اسے کامیابی ملے تو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ انٹرویو میں پاس ہو جائے تو کہتا ہے کہ جی ہاں' جب اس نے سوال پوچھا تو میں نے یہ جواب دیا، اس نے جب یوں کہا تو میں نے پھر یوں کہا اور میں کامیاب ہو گیا۔ اور اگر انٹرویو میں ناکام ہو جائے اور پوچھیں کہ عزیزم! کیا بنا؟ تو کہتا ہے، جیسے اللہ کی مرضی۔ جب کامیابی تھی تو اپنی طرف منسوب کی کہ میں نے یوں کیا، ناکامی ہوئی تو

اب اپنی طرف منسوب نہیں کرتا کہ میں نے گڑبڑ کی۔" جیسے اپٹھا کم۔جی جو اللہ دی مرضی"۔ جناب اگر یہ اللہ کی مرضی ہے تو جو کامیابیاں ملی تھیں کیا وہ اللہ رب العزت کی مرضی نہیں تھی۔ ہم کریڈٹ اللہ رب العزت کو کیوں نہیں دیتے۔ اس لئے کہ اس وقت ہمارا نفس ہم پر سوار ہوتا ہے۔ حالانکہ حق تو یہ تھا کہ ہم خوبیوں کو اس کی طرف منسوب کرتے اور خامیوں کو اپنی طرف منسوب کرتے۔

اتنا بڑا سودا :

اب بتایئے کہ انسان میں یہ کتنے بڑے بڑے نقائص ہیں۔ جس مشین میں اتنے بڑے نقائص ہوں بھلا اس مشین کو کوئی خرید تا ہے؟ کوئی نہیں خریدتا۔ مگر شاعر نے ایک عجیب بات کہی :

تو بہ علم ازل مرا دیدی
دیدی آنگہ بعیب بخریدی
تو بہ علم آں و من بعیب ہماں
رد مکن آنچہ خود پسندیدی

اے اللہ ! تو نے مجھے ازلی علم کے ساتھ دیکھا۔ تو نے میرے تمام عیوب کے ساتھ مجھے دیکھا اور پھر خرید لیا۔ تو وہی علم والا ہے اور میں وہی عیبوں والا ہوں۔ اے اللہ ! اب اسے رد نہ کر جسے تو نے خود پسند کیا تھا۔

یہاں پسند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عیب تو اتنے زیادہ تھے مگر اللہ رب العزت نے اتنے عیبوں کے باوجود اپنی طرف سے سودا کر کے عہد نامہ لکھ دیا اور اس کا اعلان فرمادیا اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کے جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

یہاں نام تو جنت کا لیا گیا مگر اس سے مراد باغات نہیں تھے بلکہ جنت کے اندر چونکہ اس کو اللہ رب العزت کا مشاہدہ نصیب ہو گا اس لئے گویا یوں فرمایا کہ ہم نے تمہاری جان اور مال کو اپنے مشاہدے کے بدلے میں خرید لیا کیونکہ وہاں مشاہدۂ حق نصیب ہو گا یہ ممکن ہی نہیں کہ آدمی جنت میں بھی جائے اور مشاہدہ نہ ہو۔ سبحان اللہ کتنا بڑا سودا کیا۔ کہنے والے نے کہا:

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا
تو نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

محبت الٰہی کا جذبہ:

انسان کے اندر اپنی تخلیق کے اعتبار سے نقائص تو بہت ہیں مگر اس میں ایک عجیب جذبہ رکھ دیا گیا ہے۔ وہ جذبہ اگر آجائے تو انسان کی کمزوری کو اس کی قوت میں بدل دیتا ہے، انسان کے جہل کو اس کے علم میں بدل دیتا ہے، انسان کی کوتاہی کو اس کی خوبیوں میں تبدیل کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ اس جذبہ کا نام "محبت الٰہی" ہے۔ یہ محبت الٰہی کا جذبہ انسان کیلئے ایسا ہے جیسے کسی پودے کیلئے پانی ہوتا ہے۔ پانی نہ ملے تو سرسبز پودے کے پھول اور پتیاں مرجھا کر زمین پر گر جاتی ہیں اور اگر اس مرجھائے ہوئے پودے کو پانی دے دیجئے تو وہ پھر کھل اٹھتا ہے۔ انسان کے اندر محبت الٰہی کے جذبہ کی مثال بھی یہی ہے کہ جس انسان میں محبت الٰہی کا جذبہ بیدار ہو جائے اس کی صفات کھلنا شروع ہو جاتی ہیں اور اس میں ایمان کی خوشبو آنے لگتی ہے اور خوشبو ماحول کو مہکا دیا کرتی ہے۔

عشق اور عقل کا موازنہ:

بسا اوقات انسان عقل کو سامنے رکھ کر زندگی گزارتا ہے اور بسا اوقات محبت اور

عشق کے جذبہ کو سامنے رکھ کر زندگی گزارتا ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ انسان کی عقل تو عیار ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ واعظ نہ خطیب

جس بندہ میں عشق الٰہی کا جذبہ ہو اللہ رب العزت کے ہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اگر عقل کے زور پر عبادت کریں گے تو عبادت تو لکھی جائے گی مگر یہ بنیاد کمزور ہے۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا:

نالہ ہے بلبل شوریدہ تیرا خام ابھی
اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل کھڑی دیکھ رہی ہوتی ہے اور عشق ان معاملات سے گزر جاتا ہے، ان منزلوں کو عبور کر لیا کرتا ہے۔ عقل کی پرواز وہاں تک نہیں پہنچتی جہاں عشق کے

پروں سے انسان پہنچتا ہے۔

عشق الٰہی کی اہمیت :

کسی شاعر نے کہا:

عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہء تصورات

عشق نہ ہو تو یہ شرع و دین فقط تصورات ہیں۔ ان میں جان نہیں ہوتی۔ ان میں جان تب پڑتی ہے جب دل میں محبت الٰہی اور عشق الٰہی کا جذبہ ہو۔ پھر انسان کے اعمال میں جان آتی ہے۔ اسی لئے مانگنے والوں نے عشق کی انتہا مانگی۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
چھوٹا سا دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں

یہ عشق ہی تو ہے جس نے دین میں رنگ بھر دیا ہے۔ محبت الٰہی نہ ہو تو پھر پیچھے کیا رکھا ہے۔ اے اللہ! تیرے عشق کے سوا پھر پیچھے کیا بچا! ہمیں اللہ تعالیٰ سے اس کا عشق مقصود بنا کر مانگنا چاہئے۔

اللہ سے اللہ کو مانگئے :

یہی عشق الٰہی والی نعمت ہی ہے جس کے حصول کیلئے ہمیں پوری زندگی عطا کی گئی۔ اس لئے اگر انسان اللہ رب العزت سے مانگے تو اللہ رب العزت کو ہی مانگے، اس کی محبت مانگے، اس کا عشق مانگے۔ آج اللہ تعالیٰ سے مال مانگنے والے بہت ہیں، کاروبار مانگنے والے بہت ہیں، گھر بار مانگنے والے بہت ہیں لیکن اللہ سے اللہ کو مانگنے

والے بہت تھوڑے ہیں۔ بہت تھوڑے ہیں جو اس لئے ہاتھ اٹھاتے ہوں کہ میں تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں، میں تیری محبت مانگتا ہوں۔ میرے دوستو! کسی نے گھر بار مانگا، کاروبار مانگا، بیوی بچے مانگے یا پوری دنیا مانگ لی تو یقین کیجئے کہ اس نے کچھ نہ مانگا اور اگر اللہ کا عشق مانگا تو سب کچھ مانگ لیا۔ کیونکہ یہ سب کچھ عشق الٰہی کے سامنے ہیچ ہے۔ اس لئے اس کو تمنا بنا کر مانگئے کہ رب کریم! ہم تیرا ایسا عشق چاہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہماری رگ رگ اور ریشہ ریشہ سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔

لَیْتَكَ تَحْلُوْا وَالْحَیٰوۃُ مَرِیْرَۃٌ
وَلَیْتَكَ تَرْضٰی وَالْاَنَامُ غِضَابٌ
وَلَیْتَ الَّذِیْ بِیْنِیْ وَبَیْنَكَ عَامِرٌ
وَبَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْعَالَمِیْنَ خَرَابٌ

اے کاش! تو میٹھا ہو جائے اگرچہ ساری دنیا میرے ساتھ تلخ ہو جائے اور میرے اور تیرے درمیان جو رشتہ ہے کاش کہ وہ آباد ہو جائے اور میرے اور مخلوق کے درمیان جو رشتہ ہے وہ بے شک خراب ہو جائے۔

رابعہ بصریہؒ کی اللہ تعالیٰ سے محبت :

رابعہ بصریہؒ کے بارے میں آیا ہے کہ ایک دفعہ تہجد کے بعد یہ دعا مانگی۔ اے اللہ! سورج غروب ہو چکا، رات آگئی، آسمان پر ستارے چمکنے لگ گئے، دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے، تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے اس لئے تیرے سامنے دامن پھیلاتی ہوں۔ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا مزہ بھی وہی لوگ جانتے تھے۔

جھوٹی محبت والے :

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا، میرے ان بندوں سے کہہ دو کہ جھوٹا ہے

وہ شخص جو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرے اور رات آجائے تو سو جائے۔ کیا ہر عاشق اپنے محبوب کے ساتھ تنہائی نہیں چاہتا۔ یہ جو میری محبت کے دعوے کرتے ہیں انہیں چاہیئے تھا کہ میرے سامنے سر بسجود ہوتے اور راز و نیاز کی باتیں کرتے۔

شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کی محبت :

حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ ایک بہت بڑے شیخ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ تشریف لے گئے۔ حضرت نے فرمایا، اشرف علی! جب سجدہ کرتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے میرا پیار لے لیا ہو۔ اور اشرف علی! جب قرآن پڑھتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے پروردگار سے ہمکلامی کر رہا ہوں اور مجھے اتنا مزہ آتا ہے کہ جنت میں اگر کچھ حوریں میرے پاس آئیں تو میں ان سے کہوں گا، بی بی! مجھے تھوڑا سا قرآن سنا دو۔ سبحان اللہ، اِن لوگوں کو کتنا مزہ آتا ہوگا!!! وہ سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ تھے اور مراقبہ کو "پریم پیالہ" کہتے تھے۔ مراقبہ میں اتنا مزہ آتا تھا کہ مراقبہ کیلئے بیٹھتے تو مریدین سے فرماتے کہ آؤ! پریم پیالہ پئیں۔

محبت الٰہی کی لذتیں :

امام رازیؒ عجیب بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ اور رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ۔ سبحان اللہ۔ جی ہاں! عشق الٰہی والے حضرات رات کے اندھیرے کے ایسے ہی منتظر ہوتے ہیں جیسے دلہا اپنی دلہن سے ملاقات کا منتظر ہوا کرتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کو لذت ملتی ہے۔ دیکھیں ایک لذت انسان کو زبان سے ملتی ہے۔ کھانے پینے سے انسان کو ایسی لذت ملتی ہے کہ کبھی مسٹر برگر کی طرف جا رہا ہوتا ہے، کبھی چائنیز سوپ کی

طرف جارہا ہوتا ہے اور کبھی کسی اور چیز کی طرف۔ لہٰذا کچھ لذتیں انسان کی زبان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کچھ لذتیں انسان کی آنکھ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی خوبصورت چیز یا خوبصورت منظر کو دیکھتا ہے تو لطف اندوز ہوتا ہے۔ کچھ لذتیں انسان کے کان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جب اچھی آواز سے تلاوت ہو رہی ہو قاری عبدالباسط، عبدالصمد پڑھ رہے ہوں تو بڑا لطف آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ سنتے ہی رہیں۔ اسی طرح کچھ لذتیں انسان کے قلب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ محبت اور عشق کی لذتیں ہیں۔

جب یہ قلب تمام اعضاء کا سردار ہے تو اس سے وابستہ لذتیں بھی سب اعضاء کی لذتوں پر فائق ہوں گی۔ ہم ان لذتوں کو کیا جانیں۔ "جنہاں لائیاں نہ لاڈ ٹھیاں اکھیاں رنگ بھریاں" وہ کیا جانیں؟ جن کو عشق الٰہی کی لذتیں نصیب ہو جائیں وہ تو پھر یوں کہا کرتے ہیں:

اللہ اللہ ایں چہ شیرین است نام
شیر و شکر می شود جانم تمام

اللہ اللہ یہ کتنا میٹھا نام ہے کہ جس کو لینے سے میرے بدن میں یوں مٹھاس آگئی جیسے چینی کو ڈالنے سے دودھ میٹھا ہو جاتا ہے۔

عشق ایک آگ ہے:

اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَا سِوَی اللّٰہِ عشق ایک آگ ہے جو ماسویٰ اللہ کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس پر عجیب اشعار لکھے۔ ایک شعر کا ترجمہ کسی شاعر نے اردو میں بھی کر دیا۔ وہ ہمارے لئے سمجھنا آسان ہے۔ فرمایا:

عشق کی آتش کا جب شعلہ اٹھا
ماسوی معشوق سب کچھ جل گیا
تیغ لا سے قتل غیر حق ہوا
دیکھئے پھر بعد اس کے کیا بچا
پھر بچا اللہ باقی سب فنا
مرحبا اے عشق تجھ کو مرحبا!

جب عشق دل میں ہوتا ہے تو یہ ماسوی پر تلوار بن کر چلتا ہے۔ انسان کے اندر ناز، نمود، نخرہ، انانیت سب کچھ توڑ کر رکھ دیتا ہے۔

شادباد اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے کہ افلاطون و جالینوس ما

یہ عشق تو بندے کے لئے افلاطون اور جالینوس بن جاتا ہے۔ جی ہاں!

عشق الٰہی کی شدید کمی :

میرے دوستو عشق الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اعمال میں جان نہیں ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں :

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

وہ جو انسان کے اندر عشق الٰہی کا جذبہ ہوتا تھا، جس کی وجہ سے انسان زندہ ہوتا تھا، آج وہ نہیں ہے۔ ایک وقت تھا کہ یہ سینے کا دل عشق الٰہی سے انگارے کی طرح گرم ہوا کرتا تھا اور آج تو جلے ہوئے کوئلے کی طرح بالکل ٹھنڈا ہوا پڑا ہے۔ ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں :

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو بیان خطیب
مگر لذت شوق سے بے نصیب
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
وہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

آج کا مسلمان راکھ کا ڈھیر بن گیا ہے۔ سینے میں محبت الٰہی کے وہ انگارے نہیں جل رہے جو اس کے سینے کو گرما رہے ہوں۔ جو اسے کبھی نمازوں میں کھڑا کر رہے ہوں، جو اسے اپنے محبوب سے ملاقاتوں پر مجبور کر رہے ہوں۔

نبی کریم ﷺ کی اللہ تعالیٰ سے محبت :

نبی اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت سے کیسی شدید محبت تھی! سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب اذان کی اللہ اکبر ہوتی تو نبی کریم ﷺ مجھے پہچاننا چھوڑ دیتے تھے۔ میں کئی مرتبہ سامنے آتی تو آپ ﷺ پوچھتے، تم کون ہو؟ میں کہتی، عائشہ۔ پوچھتے، عائشہ

کون ؟ میں کہتی، ابو بکرؓ کی بیٹی ہوں۔ پوچھتے، ابو بکر کون ؟ میں اس وقت پہچان لیتی کہ اب ایک نام دل میں اتنا غالب آچکا ہے کہ دنیا میں کسی اور کو یہ نہیں پہچانیں گے۔

حضرت عبد اللہ ذو البجادینؓ اور محبت الٰہی :

محبت الٰہی کا جذبہ انسان کے دل میں موجود ہو تو اللہ تعالیٰ بڑی قدر دانی فرماتے ہیں محبت میں ایسی کیفیت ہو جیسی حضرت عبد اللہ ذو البجادینؓ کو نصیب تھی۔

یہ ایک نوجوان صحابیؓ تھے جو مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر ایک بستی میں رہتے تھے۔ دوستوں سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ میں ایک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ حاضر ہوئے اور چوری چھپے کلمہ پڑھ لیا۔ واپس گھر آگئے۔ گھر کے سب لوگ ابھی کافر تھے لیکن محبت تو وہ چیز ہے جو چھپ نہیں سکتی ۔ اپنی طرف سے تو چھپایا کہ کسی کو پتہ نہ چلے مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی تذکرہ کرتا تو یہ متوجہ ہوتے۔

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی جب تیرا کسی نے نام لیا

چنانچہ گھر والوں نے اندازہ لگا لیا کہ کوئی نہ کوئی معاملہ ضرور ہے۔ ایک دن چچا نے کھڑا کر کے پوچھا، بتاؤ بھتی! کلمہ پڑھ لیا ہے ؟ فرمانے لگے ، جی ہاں۔ چچا کہنے لگا، اب تیرے سامنے دو راستے ہیں۔ یا تو کلمہ پڑھ کر اس گھر سے نکل جا اور اگر گھر میں رہنا ہے تو پھر ہمارے دین کو قبول کر لے۔ چنانچہ ایک ہی لحہ میں فیصلہ کر لیا۔ فرمایا، میں گھر تو چھوڑ سکتا ہوں لیکن اللہ کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ چچا نے مارا پیٹا بھی سہی اور جاتے ہوئے جسم کے کپڑے بھی اتار لیئے۔ جسم پر بالکل کوئی کپڑا نہ تھا۔ ماں بالآخر ماں تھی۔ شوہر کی وجہ سے کچھ ظاہر میں تو نہ کہہ سکی لیکن چھپ کر اپنی چادر پکڑا دی کہ بیٹا! ستر چھپا لینا۔ وہ چادر لے کر جب باہر نکلے تو اس کے دو ٹکڑے کیے۔

ایک سے ستر چھپا لیا اور دوسری اوپر اوڑھ لی۔ اسی لئے 'ذوالبجادین' یعنی دو چادروں والے مشہور ہو گئے۔ اب کہاں گئے؟ جہاں سودا کر چکے تھے۔ قدم بے اختیار مدینہ طیبہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ رات کا سفر کر کے صبح نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو چہرہ پر عجیب خوشی کی کیفیت ظاہر ہوئی۔ صحابہ کرامؓ متوجہ ہوئے کہ یہ کون آیا ہے کہ جس کو دیکھ کر اللہ کے محبوب ﷺ کا چہرہ یوں تمتما اٹھا ہے۔

دونوں جہاں کسی کی محبت میں ہار کے
وہ آرہا ہے کوئی شب غم گزار کے

حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! سب کچھ چھوڑ چکا ہوں۔ اب تو آپ ﷺ کے قدموں میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اصحاب صفہ میں شامل ہو گئے۔ اور وہیں رہنا شروع کر دیا۔

چونکہ قربانی بڑی دی تھی، محبت الٰہی میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا اس لئے اس کا بدلہ بھی ایسا ہی ملنا چاہئے تھا۔ چنانچہ ان کو ایسی کیفیات حاصل تھیں کہ محبت الٰہی میں بعض اوقات جذب میں آجاتے۔ آج کل بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ جی جذب کیا ہوتا ہے؟ جناب احادیث مبارکہ پڑھو، پھر پتہ چلے گا کہ جذب صحابہ کرامؓ پر بھی طاری ہوتا تھا۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ یہ (حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ) مسجد نبوی کے دروازے پر بعض اوقات بیٹھے ہوتے تھے اور ایسا جذب طاری ہوتا تھا کہ اونچی آواز سے اللہ اللہ اللہ کہہ اٹھتے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو انہوں نے ڈانٹا کہ کیا کرتا ہے۔ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، عمر! عبداللہ کو کچھ نہ کہو، یہ جو کچھ کر رہا ہے اخلاص سے کر رہا ہے۔

قابل رشک سفر آخرت

کچھ عرصہ گزرا نبی کریم ﷺ ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہؓ بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں ایک جگہ پہنچے تو بخار ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ ابو بکرؓ و عمرؓ کو لے کر تشریف لائے۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت عبداللہؓ کے چند لمحات باقی تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے سر کو اپنی گود مبارک میں رکھ دیا۔ یہ وہ خوش نصیب صحابیؓ ہیں جن کی نگاہیں چہرہ رسول ﷺ پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ سبحان اللہ! گود مبارک میں ہی اپنی جان اس کیفیت میں جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت افزائی:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کے کفن دفن کی تیاری کرو۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر بھجوائی اور فرمایا کہ عبداللہ کو اس چادر میں کفن دیا جائے گا۔ سبحان اللہ! واہ اللہ! تو بھی کتنا قدردان ہے کہ جس بدن کو تیری راہ میں ننگا کیا گیا تھا آج اس بدن کو تو اپنے محبوب ﷺ کی کملی سے چھپا رہا ہے۔ سبحان اللہ، سودا تو کر کے دیکھیں، پھر دیکھیں اللہ رب العزت کیسی قدردانی فرماتے ہیں۔ ہم لوگ ہی بے قدرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بھی کہنا پڑا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی۔

خود نبی اکرم ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھایا۔ پھر جنازہ لے کر قبرستان کی طرف چلے شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ جو آدمی میت کا سب سے زیادہ قریبی ہو وہ قبر میں اس کو اتارنے کیلئے اترے۔ اس وقت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی کھڑے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے خود قبر میں اتر کر فرمایا، اپنے بھائی کو پکڑا دو مگر ان کے ادب کا خیال رکھنا۔ آپ ﷺ نے اس عاشق صادق کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور زمین پر لٹا دیا۔ گویا اپنی امانت کو زمین کے سپرد کر دیا۔

حضرت عمرؓ کی حسرت :

حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے جب ان کو زمین پر رکھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے اللہ! میں عبداللہؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا" یہ ایسے الفاظ تھے کہ حضرت عمرؓ بھی سن کر وجد میں آگئے اور کہنے لگے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ کاش! آج نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں میری میت ہوتی۔ دیکھا! محنت مجاہدہ اور قربانیاں کرنے والوں کو اللہ رب العزت یوں بدلہ دیا کرتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ جو آقا اپنے کمزور بندوں کو حکم ارشاد فرماتا ہے کہ ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ تو اگر کوئی اس کیلئے قربانیاں دے تو کیا اللہ رب العزت قدر دانی نہیں فرمائیں گے؟ ضرور فرمائیں گے۔ سبحان اللہ

سیدہ زنیرہؓ اور محبت الٰہی :

سیدہ زنیرہؓ ایک صحابیہؓ ہیں جو کہ ابو جہل کی خادمہ تھیں۔ آپؓ نے کلمہ پڑھ لیا۔ ابو جہل کو بھی پتہ چل گیا۔ اس نے آکر پوچھا، کیا کلمہ پڑھ لیا ہے؟ فرمایا، ہاں۔ آپؓ بڑی عمر کی تھیں، مشقتیں نہیں اٹھا سکتی تھیں مگر ابو جہل نے اپنے دوستوں کو ایک دن بلایا اور انکے سامنے بلا کر اس نے انہیں مارنا شروع کر دیا۔ لیکن برداشت کرتی رہیں۔ کیونکہ وہ تو اللہ کے نام پر اس سے بڑی تکالیف بھی برداشت کرنے کے لئے تیار تھیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اتنا مارنے کے باوجود اس کی زبان سے کچھ نہیں

نکلا تو اس نے آپؓ کے سر میں کوئی چیز ماری جس سے آپؓ کی بینائی زائل ہو گئی اور آپؓ نابینا ہو گئیں۔

اب انہوں نے مذاق کرنا شروع کر دیا۔ کہنے لگے، دیکھا تو ہمارے بتوں کی پوجا چھوڑ چکی تھی لہٰذا ہمارے معبودوں نے تمہیں اندھا کر دیا۔ مار برداشت کر چکی تھیں، مشقتیں اٹھا چکی تھیں، یہ سب سزائیں برداشت کرنا آسان تھیں مگر جب انہوں نے یہ بات کہی تو آپؓ برداشت نہ کر سکیں۔ چنانچہ فوراً تڑپ اٹھیں۔ اسی وقت کمرے میں جا کر سجدہ میں گر گئیں۔ اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز کی باتیں کرنے لگ گئیں۔ عرض کیا، اے اللہ! انہوں نے مجھے سزائیں دیں تو میں نے برداشت کیں، وہ میری ہڈیاں بھی توڑ دیتے، وہ میرے جسم کو چھلنی کر دیتے تو میں یہ سب کچھ برداشت کر لیتی مگر تیری شان میں گستاخی کی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں نے تمہاری بینائی چھین لی۔ اے اللہ! جب میں کچھ نہیں تھی تو تو نے مجھے بنا دیا، بینائی بھی عطا کر دی۔ اب تو نے ہی بینائی واپس لی ہے۔ اے اللہ! تو مجھے دوبارہ بینائی عطا فرما دے تاکہ ان پر تیری عظمت کھل جائے۔ ابھی دعا والے ہاتھ چہرے پر نہیں پھیرے تھے کہ اللہ رب العزت نے آپ کی بینائی لوٹا دی۔ سبحان اللہ، اس وقت مرد تو مرد تھے عورتیں میں بھی یوں محبت الٰہی کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔

حضرت آسیہؓ کے عشق و محبت کی داستان :

اب آپ کو ایک ملکہ کا واقعہ بتاتا ہوں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس قدر محبت تھی۔ اس کا نام حضرت آسیہؓ تھا۔ وقت کے بادشاہ فرعون کی بیوی تھی۔ اللہ رب العزت نے ان کو حسن و جمال کا پیکر بنا دیا تھا، پری چہرہ بنا دیا تھا، نازک اندام بنا دیا تھا۔ اس لئے فرعون ان سے عشق کرتا تھا اور ان کے نخرے اٹھاتا تھا۔ ہر قسم کی

سہولت اور آسائش موجود تھی۔ جو چاہتی کپڑے پہنتی، جیسے چاہتی گھر کو سجاتی، جیسے چاہتی آسائش کا کھانا کھاتی۔ بیسیوں نوکرانیاں ان کی خدمت کیلئے ہر وقت موجود رہتی تھیں، جب وہ آنکھ اٹھا کر دیکھتی تو نوکرانیاں بھاگ پڑتیں۔ کوئی کام نہیں کرتی تھیں، سارا دن شاہی محل میں حکم چلاتی رہتی تھیں۔ غرض ہر لحاظ سے آسودگی کی زندگی گزار رہی تھیں۔

اتنے میں پتہ چلا کہ اللہ نے ایک نیک بندے کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے بندوں کو ایک اللہ کی طرف بلایا۔ ان کی یہ توحید والی بات ان کے کانوں تک بھی پہنچی اور دل میں اترتی چلی گئی۔ ان کے دل نے گواہی دی کہ باتیں تو حضرت موسیٰؑ سچی کرتے ہیں مگر میرا خاوند فرعون تو خود خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ کئی دن اسی سوچ بچار میں گزر گئے کہ اب میں کیا کروں۔ دل نے گواہی دی کہ پروردگار تو اللہ ہے۔ پروردگار تو وہی ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، جبکہ میرا خاوند تو میری منت سماجت میں لگا رہتا ہے اور میری خوشنودی چاہتا ہے، بھلا یہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ عورت تھیں اس لئے دوسری طرف خوف بھی آتا تھا کہ اگر میں نے کوئی بات کی تو میری یہ سب سہولتیں چھن جائیں گی اور مجھ پر مصیبتیں پڑ جائیں گی۔ لیکن دل نے گواہی دی، آسیہ! یہ دنیا کی آسائشیں تھوڑی ہیں، یہ سب عارضی باتیں ہیں، آخرت کی آسائشیں اصل چیز ہے۔ حضرت موسیٰؑ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہی باتیں سچی ہیں۔ چنانچہ چوری چھپے اللہ رب العزت پر ایمان لے آئیں اور حضرت موسیٰؑ کو بھی اپنے ایمان کے بارے میں بتلا دیا۔

اب دل میں اللہ کی محبت آگئی سوچ کا انداز بدل گیا۔ اب رہتی تو فرعون کے پاس تھیں مگر دل فرعون سے دور ہو گیا۔ فرعون سے نفرت ہونے لگ گئی۔ محل میں

رہتی تھیں مگر دل میں ایمان رچ بس چکا تھا۔ فرعون کو شروع میں تو پتہ نہ چلا۔ بالآخر ایک ایسا وقت آیا کہ فرعون کو ان کی باتوں کے انداز سے پتہ چل گیا۔ کیونکہ جب فرعون حضرت موسیٰؑ کی باتیں کرتا تھا تو یہ بڑے غور سے سنتی تھیں۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی باتیں کرتا تھا اس وقت ان کے تاثرات بدل جاتے تھے۔

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی جب تیرا کسی نے نام لیا

جب فرعون ان کے سامنے اللہ کا نام لیتا تھا تو وہ پھڑک اٹھتیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا سمندر دل میں ٹھاٹھیں مارنے لگتا۔ چنانچہ فرعون پر بات کھل گئی کہ میری بیوی تو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لا چکی ہے۔ اس نے بڑا سمجھایا کہ تو ایسا نہ کر، میں تجھ سے پیار کرتا ہوں اور تجھے ہر قسم کی سہولت حاصل ہے۔ کہنے لگی کہ نہیں حقیقت تو وہی جو میرے دل میں اتر چکی ہے۔ میں اس کو بالکل نہیں چھوڑ سکتی۔ چنانچہ باتیں ہوتی رہیں اور وقت گزرتا گیا۔

ایک دن جب فرعون بڑی محبت کا اظہار کر رہا تھا تو انہوں نے اپنے خاوند کو سمجھایا کہ جب آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں تو میری بات مان لیں کہ آپ بھی حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئیں۔ فرعون کا دل اس وقت موم ہو گیا۔ کہنے لگا، میں جاتا ہوں ان کے پاس اور ایمان لے آتا ہوں۔ چنانچہ وعدہ کر کے چل پڑا۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اسے ہامان مل گیا۔ وہ اس کا وزیر تھا، برا مشیر تھا۔ فرعون نے کہا کہ میں نے دل میں ارادہ کر لیا ہے کہ میں موسیٰؑ کے پروردگار پر ایمان لے آؤں۔ ہامان یہ سن کر کہنے لگا، توبہ توبہ، غلام کا خادم بننے سے تو زیادہ بہتر ہے کہ آدمی آگے جا کر جہنم کے عذاب میں جل مرے۔ فرعون پر اس کی بات اثر کر گئی۔ لہٰذا فرعون وہیں سے واپس لوٹ گیا۔ کہنے لگا، ہاں میں غلام کا غلام نہیں بن سکتا۔ چنانچہ ایمان

لانے سے انکار کر دیا۔ جب وہ منکر بن گیا تو حضرت آسیہؓ نے اس کو لعن طعن کی کہ تو اپنے وعدے سے پھر گیا۔ جب دونوں میاں بیوی میں باتیں ہوئیں تو فرعون غصہ میں آکر کہنے لگا کہ میں تجھے مزہ چکھا دوں گا۔ وہ کہنے لگیں پھر تو جو کر سکتا ہے کر لے۔ چنانچہ سہولتوں اور آسائشوں پہ لات ماردی اور ساری نعمتوں کو پیچھے پھینک دیا۔ کہنے لگیں، تو مجھے اپنے محل سے تو نکال سکتا ہے مگر میرے دل سے ایمان نہیں نکال سکتا۔

فرعون نے پہلے تو ڈرایا دھمکایا۔ بعد میں پھر اس کیلئے بھی ناک کا مسئلہ بن گیا۔ کہنے لگا، میں تجھے عذاب دوں گا۔ کہنے لگیں، تو جو کر سکتا ہے کر لے میں تیرا عذاب سہنے کیلئے تیار ہوں۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو بلوایا۔ وقت کی ملکہ، پری چہرہ اور نازک بدن کو گھسیٹ کر فرش کے اوپر لٹا دیا گیا۔ کہاں گئیں وہ نعمتیں، کہاں گئے وہ محلات، کہاں گئے وہ نرم بستر، کہاں گئیں وہ ہزاروں باندیاں جو ان کے اشارے کے پیچھے بھاگتی پھرتی تھیں۔ آج یہ اکیلی اللہ کی بندی فرش کے اوپر گھسیٹی جارہی ہے، بال پکڑے ہوئے ہیں، کان سے پکڑ کر گھسیٹی جارہی ہے۔ جسم زخموں سے چور ہو چکا تھا مگر پھر بھی اپنی بات پر ڈٹی رہیں۔ جب فرعون نے دیکھا کہ چھوٹی موٹی سزا سے یہ نہیں بدلی تو اس نے کہا کہ میں تمہیں زمین پر لٹا کر تمہارے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں ٹھونک دوں گا۔ کہنے لگیں، تو جو کر سکتا ہے کر لے۔ چنانچہ ان کو لٹا دیا گیا اور ان کے ہاتھ کو زمین کے اوپر رکھ کر درمیان میں لوہے کی ایک بڑی میخ ٹھونک دی گئی۔ تکلیف ہو رہی تھی مگر جانتی تھیں کہ یہ تکلیف اللہ کی خاطر ہے۔ پھر دوسرے ہاتھ کو اسی طرح زمین پر رکھ کر میخ ٹھونکی گئی۔ پھر پاؤں میں کو اسی طرح زمین پر رکھ کر میخیں ٹھونکی گئیں۔ فرعون نے کہا، تمہارے جسم کے کپڑے اتار لوں گا اور پھر تمہاری کھال کو اتار دوں گا۔ کہنے لگیں تم جو کر سکتے ہو کر لو مگر میں اپنے ایمان سے باز نہیں آؤں گی۔

چنانچہ جیتے جاگتے ان کے جسم سے کھال اتارنا شروع کر دی۔ ذرا سوچئے تو سہی آج بکرے کی کھال اتاری جا رہی ہو تو نرم دل کا آدمی اس کو بھی دیکھ کر پریشان ہو رہا ہوتا ہے۔ وہ تو عورت ذات تھیں۔ زمین پر لیٹی ہوئی تھیں، ہاتھ پاؤں ہلا نہیں سکتی تھیں، سر ایک جگہ پڑا ہوا تھا اور ان کے جسم سے چاقوؤں اور ریزر کے ذریعے ان کی کھال کو جدا کیا جا رہا تھا۔ زخم لگائے جا رہے تھے، تکلیفوں پہ تکلیفیں اٹھا رہی تھیں مگر سمجھتی تھیں کہ یہ سب کچھ میرے پروردگار کی طرف سے ہے۔

اس پریشانی کے عالم میں انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا۔ دنیا کا تو جو ساتھی تھا وہ اب دشمن بن چکا تھا۔ اب تو اصل سہارا باقی رہ گیا تھا۔ اسی ذات کو ندا دی کہ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اے اللہ! مجھے محل سے نکالا جا رہا ہے لیکن تو مجھے اپنے پاس محل عطا فرما دے۔ اے اللہ! یہاں فرعون نے تو اپنے سے دور کر دیا ہے مگر میں تو تیرا ساتھ چاہتی ہوں، مجھے فرعون کا ساتھ نہیں چاہئے۔ اس لئے جب بات کرنے لگیں تو یہ نہ کہا کہ اے اللہ! مجھے محل عطا کر دے بلکہ جنت سے پہلے بَيْتًا کا لفظ کہا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ محل تو چاہتی تھیں مگر اللہ کے پاس چاہتی تھیں۔ اپنے دلدار کے پاس چاہتی تھیں، اپنے محبوب حقیقی کے پاس چاہتی تھیں۔ اور پھر کہا ہے وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ اور مجھے فرعون سے اور اس کے عملوں سے نجات عطا فرما۔ کتنی ذہین تھیں کہ یہ نہ کہا کہ اے اللہ! مجھے فرعون سے نجات دینا۔ کیونکہ اگر فرعون سے نجات مل بھی جاتی تو کسی اور کے پاس چلی جاتیں اور وہ بھی فرعون کی مانند ہوتا۔ اس لئے دو دعائیں مانگیں۔ سبحان اللہ کیسی کامل دعا مانگی۔

ایک صحابیؓ کی محبت کا واقعہ :

ایک صحابیؓ بکریاں چرانے والے جب کچھ دنوں بعد مدینہ طیبہ آتے تو آکر پوچھتے کہ حضور اکرم ﷺ نے مزید کیا باتیں بتائی ہیں یا کیا مزید آیات اتری ہیں ؟ ایک دفعہ واپس آکر پوچھا تو پتہ چلا کہ ایک آیت اتری ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کہا کہ میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم کھا کر بات کہی۔ جب اس صحابیؓ نے سنا تو غصہ میں آگئے اور کہنے لگے ، وہ کون ہے جس کو یقین دلانے کی خاطر میرے اللہ تعالیٰ کو قسم کھانا پڑی۔ کیا ہی دل میں محبت تھی ! سبحان اللہ۔

دل کس کے لئے ہے ؟

لیکن آج کسی دل میں مال کی محبت ہے ، کسی دل میں عورت کی محبت ہے ، کسی دل میں شہوات کی محبت ہے۔ کیا یہ دل اسی لئے دیا گیا ہے ؟ ہرگز نہیں ، ارشاد باری تعالیٰ ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ہم نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے کہ ایک تو رحمٰن کو دے دے اور دوسرا نفس و شیطان کو دے دے۔ بلکہ دل ایک ہے اور ایک ہی کیلئے ہے۔

محبت الٰہی اللہ کی نظر میں :

بنی اسرائیل میں سے ایک سادہ سا آدمی بیٹھا باتیں کر رہا ہے کہ اے اللہ ! میں نے سنا ہے کہ تیری بیوی نہیں ، تیرے بچے نہیں ، کبھی میرے پاس آتا تو میں تیری خدمت کرتا ، میں تیرے کپڑے دھوتا ، تجھے کھانا دیتا۔ حضرت موسیٰؑ ادھر سے گزرے۔ فرمانے لگے ، اے اللہ کے بندے ! یہ تو اللہ کی شان میں گستاخی ہے۔ وہ سادہ آدمی تھا ، ڈر گیا ، کانپ گیا۔ اللہ رب العزت کو اس کا ڈرنا اور کانپنا اتنا پسند آیا کہ

للہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی فرمادی جس کو کسی شاعر نے یوں کہا :

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اے نبیؑ میں نے تجھے جوڑنے کیلئے بھیجا تھا توڑنے کیلئے نہیں بھیجا تھا۔ کیوں ؟ اس لئے کہ اگرچہ ظاہری طور پر باتوں کا مفہوم ٹھیک نہیں تھا مگر محبت تو اللہ رب العزت سے تھی۔

سیدنا ابراہیمؑ کی اللہ تعالیٰ سے شدید محبت :

اللہ رب العزت سے اتنی محبت کی جائے کہ دنیا میں ہی انسان کو بشارتیں مل جائیں۔ جب سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے "خلیل" (دوست) کا لقب دیا تو فرشتوں نے پوچھا، یا اللہ! کیا ان کو آپ سے اتنی محبت ہے کہ آپ نے خلیل کا لقب دے دیا؟ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا، اگر تمہیں شک ہے تو جاکر امتحان لے لو۔ چنانچہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں سیدنا ابراہیمؑ کے قریب آیا۔ اس وقت آپؑ جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے۔ اس فرشتہ نے بلند آواز سے یہ کلمات کہے

سُبْحَانَ ذِیْ الْمُلْكِ وَ الْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِیْ الْعِزَّةِ وَ الْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ۔ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ اَللّٰهُم اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ○

جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو بڑا مزہ آیا۔ اس طرف متوجہ ہوئے، ایک آدمی نظر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ ذرا یہی کلمات دوبارہ سنا دیجئے۔ وہ کہنے لگا، کیا معاوضہ دو گے ؟ فرمایا، آدھی بکریاں لے لینا۔ اس نے دوبارہ یہی کلمات کہے۔ اس

مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ لطف آیا۔ چنانچہ پھر مطالبہ کیا کہ ایک مرتبہ پھر سنا دیجئے۔ وہ کہنے لگا، اب کیا دو گے؟ فرمایا باقی بکریاں بھی لے لینا۔ اس نے پھر یہی کلمات کہے۔ اس دفعہ اور زیادہ مزہ اور لطف آیا۔ آپ سے رہا نہ گیا، فرمایا، ایک بار پھر سناؤ۔ وہ کہنے لگا، اب تو آپ کے پاس بکریاں بھی نہیں ہیں مجھے کیا دو گے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ بکریاں چرانے کیلئے چرواہے کی ضرورت ہو گی لہذا مجھے چرواہے کے طور پر اپنے پاس نوکر رکھ لینا۔ یہ سن کر وہ فرشتہ بولا کہ میں تو ایک فرشتہ ہوں اور امتحان لینے کی غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں آپ امتحان میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ آپ کو واقعی اللہ رب العزت سے اتنی محبت ہے کہ "خلیل" کا لقب ضرور ملنا چاہئے تھا۔ اللہ اکبر

محبت کا معیار :

جی ہاں، جن کو اللہ سے محبت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ سے محبت کیسی ہو؟ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے۔ یہاں فقط یہ نہیں کہا کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے بلکہ محبت کا ایک معیار بیان فرمادیا کہ شدید محبت ہو۔

محبت محبت تو کہتے ہیں لیکن
محبت نہیں جس میں شدت نہیں ہے
محبت کے انداز ہیں سب پرانے
خبردار ہو اس میں جدت نہیں ہے

گویا محبت تقاضا کرتی ہے کہ اس میں شدت ہونی چاہئے۔

سلف صالحین کا محبت الٰہی میں استغراق :

یہ شدید محبت انسان کی عبادات میں رنگ بھر دیتی ہے، یہ شدید محبت اس کو

تنہائیوں کی لذت عطا کر دیتی ہے، یہ شدید محبت اس کو چپ کا مزہ دے دیا کرتی ہے۔ ہم چپ کا مزہ کیا جانیں؟ ہم تو ہر وقت ٹرٹر کرنے والے ہیں، محفلوں میں ہنسنے کھیلنے والے ہیں۔ ہمیں کیا پتہ کہ رات کی تنہائیوں کا مزہ کیا ہوتا ہے، ہمیں کیا پتہ کہ خالق سے جب انسان تار جوڑ کر بیٹھتا ہے تو اس وقت کی کیفیت کی لذتیں کیا ہوتی ہیں۔ ذرا ان سے پوچھئے جن کی تار جڑ جاتی ہے۔ ان کے دل و دماغ سے غیر کا خیال بھی نکل جاتا ہے۔

ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ دو سال تک ان کا خادم ان کے پاس رہا لیکن حضرت کو اس کا نام ہی یاد نہ ہوا۔ جب وہ سامنے سے گزرتا تو پوچھتے، ارے میاں! تم کون ہو؟ وہ کہتے۔ حضرت! میں آپ کا فلاں خادم ہوں۔ فرماتے اچھا اچھا۔ پھر کچھ دیر بعد سامنے سے گزرتا تو پھر پوچھتے، ارے میاں تم کون ہو؟۔ وہ کہتے حضرت میں! آپ کا فلاں خادم ہوں پھر فرماتے، اچھا اچھا۔ سبحان اللہ۔ ایک نام دل میں ایسا اتر چکا تھا کہ دو سال تک اپنے خادم کا نام پوچھتے رہے مگر اس کا نام دل میں نہ سما سکا۔

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

بعض سلف صالحین جب اذان دینے کے لئے مینارہ پر چڑھتے، اللہ اکبر کہتے اور اللہ کی جلالت شان سے مرعوب ہو کر اسی وقت گرتے اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیتے تھے۔ آج اللہ اکبر کی آواز ہم بھی سنتے ہیں لیکن ہمارے دلوں پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ محبت کا وہ جذبہ بیدار نہیں ہے، وہ آگ اندر ابھی لگی نہیں ہے۔ کاش! وہ آگ لگ جائے۔

مستجاب الدعوات لوگوں کی پہچان :

اللہ کا نام دل میں کب اترتا ہے؟ جب سچ اندر اتر جائے' جب انسان کو سچی اور سچی زندگی نصیب ہو جائے۔ پھر زبان سے الفاظ نکلتے ہیں اور اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو جاتے ہیں۔ ایک بات لوہے پر لکیر کی مانند ہے کہ جس انسان کا پیٹ حرام سے خالی ہو گا اور اسکا دل غیر سے خالی ہو گا تو اس آدمی کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو اللہ رب العزت کبھی خالی نہیں لوٹائیں گے۔ یہ مستجاب الدعوات لوگوں کی پہچان ہے۔

اطاعت کا سرچشمہ :

جب محبت ہوتی ہے تو اطاعت کرنا آسان ہو جاتی ہے۔ **اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ** محبّ جس سے محبت کرتا ہو وہ اس کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے۔ اگر انسان اللہ رب العزت سے محبت کرے گا تو اس کیلئے تہجد کیلئے اٹھنا بڑا آسان ہو جاتا ہے۔ دیکھیں، چونکہ دل میں مال کی محبت ہوتی ہے اس لئے اگر تہجد کے وقت کوئی ڈاکیا آئے اور وہ یہ کہے کہ میں منی آرڈر لے کر آیا ہوں اور ابھی دینا ہے اور واپس بھی جانا ہے۔ اس وقت جتنی بھی نیند آئی ہوئی ہو گی تو وہ بندہ اٹھ بیٹھے گا اور منی آرڈر وصول کرلے گا۔ اگر انسان اس مال کو حاصل کرنے کیلئے اپنی نیند قربان کر سکتا ہے تو اپنے پروردگار کو راضی کرنے کیلئے اس وقت کیوں نہیں اٹھ سکتا۔ جب محبت دل میں ہو گی تو راتوں کو اٹھنے کیلئے اسباب اختیار نہیں کرنا پڑیں گے، خود بخود آنکھ کھل جایا کرے گی، پھر اس وقت انسان دعاؤں کے قافلہ میں شرکت کیلئے تڑپا کرے گا۔ پھر یہ کیفیت ہو گی کہ

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

ان کے پہلو ان کی خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں، اور اپنے رب کو ڈر اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہم نے جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

خانقاہ فضلیہ میں عاشقوں کا مجمع :

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے۔ خانقاہ فضلیہ مسکین پور شریف میں رات کو سب سالکین ایک جگہ پر سو جایا کرتے تھے۔ جب سو جاتے اور کچھ دیر گزرتی تو ان میں سے کسی ایک پر جذب طاری ہو جاتا اور وہ اونچی آواز سے اللہ اللہ کہنا شروع کر دیتا۔ اس کی آواز سن کر سب کی آنکھ کھل جاتی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کی طبیعت ذرا حال ہوتی تو سو جاتے۔ ابھی سوتے ہی تھے کہ کسی اور کو جذب ہو جاتا اور وہ اللہ اللہ کہنا شروع کر دیتا، ساری رات یونہی سوتے جاگتے گزر جاتی۔ یہ عاشقوں کا مجمع تھا۔

محبت کے غلبہ میں دو بوڑھوں کی لڑائی :

مقامات زواریہ میں ایک عجیب بات لکھی ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ خانقاہ فضلیہ میں دو بوڑھے آدمی آپس میں الجھنا شروع ہو گئے۔ دیکھنے والے بڑے حیران ہوئے کہ یہ دونوں ظاہر میں بڑے نیک اور متقی نظر آتے ہیں، اتباع سنت بھی انکے جسم پر بالکل ظاہر ہے مگر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ایک اس کو تھپڑ لگاتا ہے اور دوسرا اس کو لگاتا ہے۔ وہ اسے کھینچتا ہے اور وہ اسے کھینچتا ہے اور کچھ باتیں بھی کر رہے ہیں۔ ایک صاحب قریب ہوئے کہ آخر بات کیا ہے۔ جب قریب ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دونوں محبت الٰہی میں اتنا مستغرق تھے کہ آپس میں بیٹھے ہوئے ان میں سے ایک نے کہہ دیا، ''اللہ میڈا اے'' یعنی اللہ میرا ہے جب دوسرے نے سنا تو وہ الجھنے لگا کہ نہیں 'اللہ میڈا اے'' وہ اسے مارتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ میڈا اے اور وہ اسے مارتا ہے اور کہتا

ہے کہ اللہ میڈا اے۔ محبت کا کتنا غلبہ تھا کہ دونوں اس بات پر الجھ رہے تھے۔ اللہ اکبر

حضرت شبلیؒ پر محبت الٰہی کا رنگ :

حضرت شبلیؒ کے بارے میں سنا ہے کہ جب آپ کے سامنے کوئی اللہ کا نام لیتا تھا آپ اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے، شیرینی نکالتے اور اس بندے کے منہ میں ڈالتے اور فرماتے کہ جس منہ سے میرے محبوب کا نام نکلے میں اس منہ کو شیرینی سے کیوں نہ بھر دوں۔

محبوب سے ملاقات کا لطف :

محبت کا فرق بس اتنا ہی ہے کہ ایک مزدور کو لے آیئے اور اس سے کہیے کہ پتھر کو توڑو، مزدوری دیں گے۔ وہ پتھر پر ضرب تو لگائے گا مگر اس ضرب میں جذب اور کیفیات شامل نہیں ہوں گی۔ کیونکہ اس نے مزدوری لینی ہے۔ وہ ضرب تو لگا رہا ہو گا مگر بے دلی کے ساتھ بوجھ سمجھ کر۔ ایک ضرب فرہاد نے بھی لگائی تھی۔ اس کے محبوب نے کہا کہ اس میں سے دودھ کی نہر نکالئے۔ وہ بھی تیشے کی ضرب لگاتا تھا۔ کسی شاعر نے اس کی اس کیفیت کو یوں بیان کیا :

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست
فرہاد میں جو بات ہے مزدور میں نہیں

وہ تیشے کو جو ضرب لگاتا تھا اسے ہر ضرب پر دوست کے وصل کا کیف نصیب ہوتا تھا۔ اب ہم نمازیں پڑھتے ہیں مزدور والی اور جب دل میں محبت پیدا ہو گی تو پھر فرہاد والی نمازیں پڑھیں گے۔

مجنون کی ایک نمازی کو سرزنش :

ایک دفعہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا۔ مجنون لیلیٰ کی محبت میں غرق تھا۔ وہ اسی

مدہوشی میں اس نمازی کے سامنے سے گزر گیا۔ اس نمازی نے نماز مکمل کرنے کے بعد مجنوں کو پکڑ لیا۔ کہنے لگا، تو نے تو میری نماز خراب کر دی کہ میرے سامنے سے گزر گیا۔ تجھے نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے کہا، خدا کے بندے! میں مخلوق کی محبت میں گرفتار ہوں مگر وہ محبت اتنی غالب آئی کہ مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ میں کس کے سامنے سے گزر رہا ہوں اور تو کیسا خالق کی محبت میں گرفتار ہے کہ نماز یں پڑھ رہا تھا اور تجھے اپنے سامنے سے جانے والوں کا پتہ چل رہا تھا۔

محبت والوں کی نمازیں :

اس کے برعکس سلف صالحین اپنی نمازوں پر محنت کرتے تھے اسی لئے جب بھی زمین پر ان کا سر پڑتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فیصلے فرما دیتے تھے۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے کہ جب اذان کہتے تھے تو پہاڑ بھی پارے کی طرح کانپتے تھے۔ شاعر نے کہا:

سنی نہ مصر و فلسطین میں اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہء سیماب

سبحان اللہ کتنے خلوص سے سجدے کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہے جو انسان خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحَضُوْرِ الْقَلْبِ کہ حضور قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ شاعر نے آگے آج کے نمازیوں کی حالت بھی بیان کر دی، فرمایا:

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

محبوب سے وصل کے بہانے :

میرے دوستو! جن کے دل میں محبت الٰہی ہوتی ہے وہ محبوب سے وصل کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والے پانچ نمازیں پڑھتے تو ہیں مگر سیری نہیں ہوتی، دل نہیں بھرتا، پھر جی چاہتا ہے کہ محبوب سے ہمکلامی کریں، محبوب کا دیدار کریں۔ کبھی اشراق کے نوافل کو بہانہ بناتے ہیں، کبھی چاشت کے نوافل کو بہانہ بناتے ہیں، کبھی اوابین کے نوافل کو بہانہ بناتے ہیں، کبھی تہجد کے نوافل کو بہانہ بناتے ہیں، کبھی وضو کر کے فوراً دو رکعت کی نیت باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعت نفل کی نیت کر لیتے ہیں۔ یہ سب بہانے ہیں، حقیقت میں تو پروردگار سے ہمکلامی چاہتے ہیں۔

ہم اپنے بعض سالکین دوستوں کو دیکھتے ہیں کہ فرض اور سنت پڑھتے ہیں اور نفلوں کو نفل سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ نہیں، میرے دوستو! اتنی بھی بڑی بات ہے کہ قیامت کے دن اگر فرضوں میں کمی ہوئی تو اسکے بدلے نوافل کو شامل کر کے قبول کر لیا جائے گا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ معلوم نہیں کہ کس زمین پر کس وقت کے کئے ہوئے سجدے پر پروردگار کی خاص نظر ہو اور وہ سجدہ قبول کر لیا جائے۔ لہذا نوافل جس وقت کے بھی شریعت کے مطابق ہوں ان کو ضرور ادا کر لیا جائے۔

مشاہدہء حق کا راز :

فرض نمازوں کا پڑھنا تو پھر اس سے بہت شان والی بات ہے۔ اس کو تو اہتمام سے پڑھنا چاہئے کیونکہ اس وقت تو محبوب کی طرف سے پیغام آتا ہے۔ حَیَّ عَلَی

الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ آجاؤ نماز کی طرف، آجاؤ فلاح کی طرف۔ کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے دنیا میں ڈھونڈتے پھرتے ہو، آؤ! نماز پڑھ لو تمہیں میرا مشاہدہ نصیب ہو جائے گا اور پھر اس کے صدقے تمہیں دنیا میں فلاح نصیب ہو جائے گی۔

سچے صوفی کی پہچان:

میرے دوستو! محبت الٰہی کا جذبہ جن حضرات کے دلوں میں ہوتا ہے تو پھر ان کے دل میں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت کی محبت ان تمام محبتوں پر غالب ہوتی ہے اور یہی کامل مومن کی پہچان ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاءُ كُمْ وَاَبْنَاءُ كُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ٰ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، تم کو اللہ اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ پسند ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

یہی وجہ ہے کہ محبت کرنے والوں کو اعمال کرنے آسان ہوتے ہیں۔ وہ نمازوں کیلئے وقت سے پہلے تیار ہوتے ہیں۔ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں تو انہیں عصر کا انتظار ہوتا ہے، عصر کی نماز پڑھتے ہیں تو پھر انہیں مغرب کا انتظار ہوتا ہے اور جب رات کو

سوتے ہیں تو وہ اس نیت سے سوتے ہیں کہ تہجد کیلئے اٹھیں گے۔

اسی لئے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ تصوف اضطراب کا دوسرا نام ہے۔ اضطراب نہ رہا تصوف ختم ہو گیا۔ صوفی ہے ہی وہی جو اللہ کی محبت میں مضطرب رہے۔ شوق میں، اشتیاق میں، اس کی بندگی کرنے میں، اعمال کرنے میں ہر وقت بے تاب رہے۔ بلکہ ایک جگہ فرمایا کہ صوفی وہ ہے جس کی کیفیت ایسی ہو جیسی کہ قرآن مجید میں بتائی گئی ۔ فرمایا، حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ حتی کہ زمین اپنی پوری فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ اور ان کی اپنی جانیں تنگ ہو گئیں۔ پھر فرمایا، وَظَنُّوْا اور ان کا یہ گمان ہو گیا اَنْ لَا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ کہ اللہ کے سوا اب ان کا کوئی ملجا اور ماوٰی نہیں ہے۔ فرمایا کہ جس بندے میں یہ کیفیت موجود ہے وہ تصوف میں داخل ہے اور جس میں یہ کیفیت نہیں اسے تصوف میں ابھی داخلہ نصیب نہیں ہوا۔

محبت الٰہی میں سرمست نوجوان کے اشعار :

جن میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے وہ اللہ رب العزت سے راز و نیاز کی عجیب باتیں کرتے ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ ایک آدمی عجیب عجیب اشعار پڑھتا ہوا جا رہا تھا۔

وَاللّٰهِ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ
اِلَّا وَ اَنْتَ فِیْ قَلْبِیْ وَ وَسْوَاسِیْ
وَلَا جَلَسْتُ اِلٰی قَوْمٍ اُحَدِّثُهُمْ
اِلَّا وَ اَنْتَ فِیْ حَدِيْثِیْ بَيْنَ جُلَّاسِیْ

وَلَا ذَكَرْتُكَ مَحْزُوْنًا وَلَا طَرِبًا
اِلَّا وَ حُبُّكَ مَقْرُوْنٌ بِاَنْفَاسِیْ
وَلَا هَمَمْتُ بِشُرْبِ الْمَاءِ مِنْ عَطَشٍ
اِلَّا رَاَیْتُ خَیَالًا مِنْكَ فِیْ الْكَاْسِ
وَلَوْ قَدَرْتُ عَلَى الْاِتْیَانِ زُرْتُكُمْ
سَحْبًا عَلَى الْوَجْهِ اَوْ مَشْیًا عَلَى رَاْسِ

ان کا ترجمہ یہ ہے گا کہ اللہ کی قسم! کبھی سورج طلوع نہیں ہوا اور کبھی غروب نہیں ہوا مگر یہ کہ تو میرے دل میں اور میرے خیال میں ہوتا ہے۔ اور میں کبھی کسی مجلس میں نہیں بیٹھا مگر یہ کہ اس مجلس میں تیرا ہی تو ذکر ہو رہا ہوتا ہے۔ اور میں نے کبھی تیرا ذکر نہیں کیا خوشی اور غم کی حالت میں مگر یہ کہ تیری محبت میرے سانسوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اور میں نے کبھی پانی نہیں پیا مگر اس حال میں کہ پانی کے پیالے میں بھی تیرا ہی تصور کر رہا ہوتا ہوں۔ اور اے محبوب! اگر مجھے اجازت ہوتی تیری زیارت کو آؤں تو میں اپنے رخسار اور سر کے بل چلتا ہوا تیری ملاقات کو پہنچ جاتا۔

عشق الٰہی کا عجیب اظہار :

کہتے ہیں کہ مجنوں نے ہر چیز کا نام لیلیٰ رکھ دیا تھا اور زلیخا نے ہر چیز کا نام یوسف رکھ دیا تھا۔ اسی طرح جن کے دلوں میں محبت الٰہی کا جذبہ ہوتا وہ بھی ہر بات کے سامنے اللہ رب العزت کا نام لیتے ہیں۔

خواجہ غلام فریدؒ کے اشعار محبت :

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کوٹ مٹھن والے محبت الٰہی میں پنجابی میں کچھ اشعار کہتے

ہیں۔ فرماتے ہیں:

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈی روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا کعبہ قبلہ مسجد منبر
مصحف تے قرآن وی توں
میڈے فرض فریضے حج زکوتاں
میڈی صوم صلوۃ اذان وی توں
میڈا زہد عبادت طاعت تقوی
علم وی توں عرفان وی توں
میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا
میڈا تکیہ مان تران وی توں
میڈا دھرم وی توں میڈا بھرم وی توں
میڈا شرم وی توں میڈی شان وی توں
میڈی خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈے سولاں دا سامان وی توں

میڈی مہندی کجل مساگ وی توں
میڈی سرخی بیڑا پان وی توں
میڈا حسن تے بھاگ سہاگ وی توں
میڈا بخت تے نام نشان وی توں
جے یار فرید قبول کرے
سرکار وی توں سلطان وی توں
میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

الف ہکو ہم بس وے میاں جی
بے تے دی میکوں لوڑ نہ کائی
الف کیتم بے وس وے میاں جی
دل وچ چاہت ہو نہ کائی
الف لیم دل کھس وے میاں جی
ایں شاہت ساہت وے میاں جی
جیندیاں مردیاں یار دی رہساں
وسری ہور ہوس وے میاں جی
رانجھن میڈا تے میں رنجھن دی
روز ازل دی حق وے میاں جی
عشقوں مول فرید نہ پھرسوں
روز نویں ہم چس وے میاں جی

سبحان اللہ ! یہ بات کون کر سکتا ہے ؟ جس کا دل محبت الٰہی سے بھرا ہوا ہو۔ یہ بے اختیاری کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ عقل کی باتیں نہیں بلکہ عشق کی باتیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے اپنے دل کو کھول کر کاغذ پر رکھ دیا تھا۔

محبت الٰہی پر لاکھ روپے کا شعر :

حضرت مجذوبؒ حضرت اقدس تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ انہوں نے ایک شعر لکھا اور اپنے پیر و مرشد کو سنایا۔ حضرت تھانویؒ نے شعر سن کر فرمایا کہ اگر میں صاحب استطاعت ہوتا تو ایک لاکھ روپے انعام دے دیتا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب سکول جانے کیلئے ایک پیسہ بھی نہیں ملتا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب انجینئر کی تنخواہ پندرہ ہزار روپے ہوا کرتی تھی۔ وہ شعر کیا تھا ؟ بڑا مختصر، بہت سادہ، دل میں اتر جانے والا، عجیب بات کہی مگر حکایت دل بیان کر دی۔ فرمایا :

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

حضرت چلاسیؒ کے اشعار محبت :

حضرت چلاسیؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا :

مرا طعنہ دہد واعظ بعشقت
تو ہم یک بار سوئے او نظر کن
ورا مانند ما دیوانہ گرداں
تکبر از دماغ او بدر کن
چلاسی خواب در ہجراں حرام است
شب ہجراں بفریادے سحر کن

کہ اے اللہ! ہم تیرے عشق کے طالب ہیں اور واعظ مجھے تیرے عشق کا طعنہ دیتا ہے۔ تو ذرا اس واعظ کے دل پر بھی نظر ڈال دے۔ اسے بھی میری طرح دیوانہ بنادے اور اس کے دماغ سے تکبر کو دور کر دے۔ چلا سی! جدائی میں سو جانا حرام ہے لہذا جدائی کی یہ رات تو اس کی یاد میں روتے ہوئے گزار دے۔ سبحان اللہ۔

عاشق کا کام:

یاد رکھیں کہ عاشق جس حال میں بھی ہو وہ محبوب کی محبت میں ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے اور روتا رہتا ہے۔ کسی نے کیا ہی خوب بات کہی:

عاشق دا کم رونا دھونا تے بن رون نہیں منظوری
دل رووے چاہے اکھیاں رووݨ تے وچ عشق دے رون ضروری
کوئی تے رووے دید دی خاطر تے کوئی روندے وچ حضوری
اعظم عشق وچ رونا پیندا بھانویں وصل ہوئے بھانویں دوری

کچھ دوست سوچتے ہوں گے یہ بھی دیوانہ اور مجنون آدمی ہے کہ اللہ کی محبت اور عشق کی باتیں کر بیٹھتا ہے۔ ہاں بھئی' ٹھیک ہے آپ نے دنیا کی محبت دیکھی ہوگی۔ کاش! اللہ رب العزت کی محبت کی شیرینی بھی چکھ لیتے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہء دانش و فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ ہو اگر

آج محبت الٰہی کا جذبہ کیوں کم ہو گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کی خواہشات غالب آچکی ہیں۔ انسان کی خواہشات یوں سمجھئے جیسے ایک بلب جل رہا ہو اور اس کے اوپر ٹوکری رکھ دیں تو کمرے میں اندھیرا ہو جائے گا۔ غافل مومن کی مثال یہی ہے کہ اس کا بلب تو روشن ہے کیونکہ اس نے کلمہ پڑھ لیا مگر اس کے اوپر غفلت کی ٹوکری

آگئی۔ اسی لئے اب اس بچارے کے دل میں اندھیرا ہے۔ اگر یہ اس غفلت کی ٹوکری کو دور ہٹادے گا تو یہ دل کا بلب اسی وقت جگمگا اٹھے گا۔

محبت الٰہی پیدا کرنے کے ذرائع :

اللہ رب العزت نے فرمایا : اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔ ولایت کا یہ ابتدائی درجہ ہے جو کلمہ پڑھنے والے ہر بندے کو نصیب ہوتا ہے مگر اس کو اور بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اس کو بڑھانے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک ذکر اللہ اور دوسری صحبت اولیاء اللہ۔

شیخ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں مَنْ لَا وِرْدَ لَہٗ لَا وَارِدَ لَہٗ جس کے ورد و وظائف نہیں ہونگے اس کے اوپر واردات و کیفیات نہیں ہونگی۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ کوئی نقشبندی ہے، کوئی چشتی ہے، کوئی قادری ہے، کوئی سہروردی ہے، اگر دل میں ایک خدا کی یاد ہے تو تم سب کچھ ہو ورنہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔

میرے دوستو! یہ محبت الٰہی کا جذبہ درد دل کی بات ہے، یہ مشینوں کے پاس بیٹھ کر، دکانوں پر بیٹھ کر، سڑکوں اور بازاروں میں بیٹھ کر بیدار نہیں ہوگا بلکہ اس کیلئے تو اہل دل کے پاس آنا پڑتا ہے۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کیوں؟ اسلئے کہ

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستیوں میں

چلو دیکھ آئیں تماشا جگر کا:

میرے دوستو! جب آدمی اولیاء اللہ کی صحبت میں آتا ہے تو پھر اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔اسی لئے کسی نے کہا:

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

شعراء میں سے استاد جگر ایک عظیم شاعر تھے۔ان کی ابتدائی زندگی بڑی غافلانہ تھی۔خوب پیتے تھے۔وہ مے نوش نہ تھے بلانوش تھے۔مشاعروں میں کہیں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے ساتھ ملنا جلنا ہوا۔حضرت اقدس تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔اس وقت حضرت مجذوبؒ محکمہ تعلیم میں Collector (کلیکٹر) کے طور پر کام کر رہے تھے۔اتنی اچھی دنیاوی تعلیم مگر چونکہ دل کی گھنڈی کھل چکی تھی لہذا درویشی غالب تھی۔ایسے ایسے اشعار کہے جیسے موتیوں کو انہوں نے مالا میں پرو دیا ہو۔

استاد جگر ان کی فقیرانہ زندگی سے بڑے متاثر ہوئے۔ایک دفعہ جگر صاحب کہنے لگے جناب! آپ سے مسٹری "ٹر" کیسے" مس" (Miss) ہوئی۔انہوں نے کہا، تھانہ بھون جا کر۔کہنے لگا، کبھی میں بھی جاؤں گا۔حضرت نے فرمایا، بہت اچھا۔اب حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے محنت کرنا شروع کر دی۔صادقین کی صحبت کے بارے میں تفصیلات بتانا شروع کر دیں۔ایک دفعہ انہوں نے پوچھا، سنایئے حضرت! کیا حال ہے؟ حضرت خواجہ صاحبؒ نے عجیب اشعار سنا دیئے۔فرمایا:

پنشن ہو گئی ہے کیا بات ہے اپنی
اب دن بھی ہے اپنا اور رات بھی اپنی

اب اور ہی کچھ ہے میرے دن رات کا عالم
ہر وقت ہی رہتا ہے ملاقات کا عالم

جب انہوں نے یہ اشعار سنے تو دل میں سوچنے لگے کہ ان کے دل میں محبت الٰہی اتنی بھری ہوئی ہے تو ان کے شیخ کے دل کا کیا عالم ہوگا۔ چنانچہ کہنے لگے 'تھانہ بھون تو جاؤں گا لیکن میری ایک شرط ہے۔ فرمایا' وہ کونسی؟ کہنے لگے کہ وہاں جا کر بھی پیؤں گا' یہ میری عادت ہے اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ حضرت مجذوبؒ نے فرمایا' میں حضرت سے پوچھوں گا۔ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ حضرت! ایک بندہ بڑے کام کا ہے آنا بھی چاہتا ہے مگر شرط لگاتا ہے کہ یہاں آکر بھی پیؤں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھئی! خانقاہ عوامی جگہ ہے یہاں پر تو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیونکہ شراب نوشی معصیت (گناہ) ہے۔ البتہ میں اسے اپنے گھر میں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرالوں گا۔ کیونکہ مہمان کو اپنی ہر عادت پوری کرنے کی اجازت ہے، کافر کو بھی مہمان بنا سکتے ہیں۔

چنانچہ جگر صاحب تیار ہو کر وہاں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر پینا تو کیا، حضرتؒ کے چہرے کو دیکھتے ہی بات دل میں اتر گئی۔ کہنے لگے، حضرت! تین دعائیں کروانے آیا ہوں۔ حضرتؒ نے پوچھا، وہ کونسی؟ کہنے لگا، پہلی دعا یہ کیجئے کہ میں پینا چھوڑ دوں۔ حضرتؒ نے دعا فرما دی۔ دوسری دعا یہ کیجئے کہ میں داڑھی رکھ لوں۔ حضرتؒ نے یہ بھی دعا فرما دی۔ اور تیسری دعا یہ کیجئے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ حضرتؒ نے یہ دعا بھی فرما دی۔ سبحان اللہ، صحبت اور شیخ کی توجہ رنگ لا رہی ہے۔ چنانچہ اسی محبت و عقیدت کے ساتھ حضرتؒ سے بیعت کا تعلق قائم کر لیا۔ جب واپس ہوئے تو زندگی بدلنا شروع ہو گئی۔

ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے کہ دل میں خیال آیا کہ نہ پیئوں گا تو کیا ہوگا؟ اگر میں اللہ کو ناراض کر بیٹھا اور نفس کو خوش کر لیا تو کیا فائدہ ہوگا۔ چنانچہ ایسے ہی بیٹھے بیٹھے پینے سے توبہ کرلی۔ چونکہ بہت عرصہ سے پی رہے تھے اس لئے بیمار ہوگئے۔ ہسپتال گئے۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ یکدم چھوڑنا تو ٹھیک نہیں، تھوڑی سی پی لیں ورنہ موت آجائے گی۔ پوچھنے لگے' تھوڑی سی پی لوں تو زندگی کتنی لمبی ہو جائے گی؟ انہوں نے کہا' دس پندرہ سال۔ کہنے لگے' دس پندرہ سال کے بعد بھی تو مرنا ہے۔ بہتر ہے کہ ابھی مر جاؤں تاکہ مجھے توبہ کا ثواب تو مل جائے۔ چنانچہ پینے سے انکار کر دیا۔

اسی دوران ایک مرتبہ عبدالرب نشتر سے ملنے گئے۔ ماشاء اللہ وہ اس وقت وزیر تھے۔ ان کا تو بڑا پروٹوکول تھا۔ یہ جب ان سے ملنے گئے تو جسم پر پھٹے پرانے کپڑے تھے اور بال بھی ایسے ہی' شکل وصورت بھی بالکل سادہ تھی۔ جب وہاں گئے تو چوکیدار نے سمجھا کہ کوئی مانگنے والا فریاد لے کر آیا ہوگا۔ چنانچہ اس نے کہا' جاؤ میاں! وہ مصروف ہیں۔ انہوں نے کہا' اچھا۔ اپنے پاس سے کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکالا اور اس پر ایک مصرعہ لکھ کر عبدالرب نشتر کو بھیجا کیونکہ وہ بھی صاحب ذوق تھے۔ عجیب مصرعہ لکھا:

نشتر کو ملنے آیا ہوں میرا جگر تو دیکھ

کنایہ دیکھئے' کیا ہی استادانہ بات کہی! جب کاغذ کا یہ پرزہ وہاں گیا تو عبدالرب نشتر اس پرزہ کو لے کر باہر نکل آئے۔ کہا' جناب! آپ تشریف لائے ہیں، اور اندر لے گئے' بٹھایا اور حال پوچھا، چنانچہ بتایا کہ زندگی کا رخ بدل لیا ہے۔

تھوڑے عرصہ بعد چہرے پر سنت سجالی۔ لوگ ان کو دیکھنے کیلئے آتے تو انہوں نے اس حالت پر بھی شعر لکھ دیا۔ اب چونکہ طبیعت سے تکلفات ختم ہو گئے تھے'

سادگی تھی' اس لئے سیدھی سیدھی بات لکھ دی۔ فرمایا:

چلو دیکھ آئیں تماشا جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلماں ہوا

شیخ کامل کی صحبت سے جگر پر پھر ایسی واردات ہوتی تھیں کہ عارفانہ اشعار کہنا شروع کر دیئے۔ چنانچہ ایک وہ وقت بھی آیا کہ اللہ رب العزت نے ان کو باطنی بصیرت عطا فرما دی۔ ایک ایسا شعر کہا جو لاکھ روپے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اس ساری تفصیل کے سنانے کا اصل مقصد بھی یہی شعر سنانا ہے جو اس عاجز کو بھی پسند ہے۔ یہ شعر یاد کرنے کے قابل ہے:

میرا کمال عشق میں اتنا ہے بس جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

فنا فی اللہ کا مقام:

میرے دوستو! یہ کیفیت انسان میں اس وقت آتی ہے جب فنائے قلبی نصیب ہو جائے۔ یہ تصوف کا پہلا قدم ہے۔ جب فنا نصیب ہو جاتی ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔ اَلْفَانِیْ لَا یَرَدُّ کہ فانی واپس نہیں آتا۔ یعنی پھر گرتا نہیں ہے۔ اس سے پہلے پہلے گر بھی سکتا ہے۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ بعض سالکین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فانی کیوں نہیں لوٹ سکتا۔ اس کے جواب میں حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک آسان سی مثال سمجھائی۔ فرماتے ہیں کہ جیسے کوئی آدمی بالغ ہونے کے بعد پھر نابالغ نہیں ہو سکتا اسی طرح جس نے فنا فی اللہ کا مقام حاصل کر لیا وہ طریقت کا بالغ ہو گیا' اب اللہ تعالیٰ اسے گرنے سے محفوظ فرمالیں گے۔ تو ذکر کو ایک ایسے نقطہ تک پہنچانا

ضروری ہے کہ جس پر انسان کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت نصیب ہو جائے۔ وگرنہ میرے دوستو! اس سے پہلے کئی لڑکھڑا جاتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کس وقت ہمارے ساتھ کیا معاملہ بن جائے۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

چار دن کی چاندنی :

عشق انسان کیلئے ایک طبیب کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے مراد عشق الٰہی ہے' دنیا کا حسن نہیں۔ یہ تو چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔ دنیا والے تو جب حسینوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ریجھ جاتے ہیں' ان کا وضو ٹوٹ جاتا ہے' ایمان کمزور ہو جاتا ہے' متزلزل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ غازے' یہ ڈسٹمپر اللہ والوں کو پیغمبر کی راہ سے نہیں ہٹا سکتے۔

خاک ہو جائیں گے قبروں میں حسینوں کے بدن
ان کے ڈسٹمپر کی خاطر راہ پیغمبر نہ چھوڑ

اللہ کی قسم! جن کے دلوں میں اللہ کے ساتھ ایک ڈور جڑ جاتی ہے وہ دنیا کے حسینوں کی طرف دیکھنا تو کیا ان کی طرف تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان کے سامنے زلف فتنہ گر، دم خر (گدھے کی دم) بن جایا کرتی ہے۔

ایک آیت کی تفسیر :

یہ فنایت قلبی پیدا کرنے کے لئے دل پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا! اے ایمان والو! اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ

وَرَسُوْلِهٖ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں اٰمِنُوْا کا مطلب ہے اِتَّقُوْا۔ کہ تم اپنے اندر تقوی پیدا کرو۔ زبان سے الفاظ کے ادا کرنے والو! ان میں حقیقت بھی پیدا کر لو' زندگی اس کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لو۔ میرے دوستو! بات کرنا آسان ہے مگر دل میں اس کی حقیقت کا اتارنا بہت مشکل کام ہے۔ انسان کا نفس ایسا مکار ہے کہ اس کا زور جلدی نہیں ٹوٹتا۔ اسی لئے علامہ اقبال نے فرمایا:

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

باہر کی مسجد بنانا آسان اور اس (دل) کو مسجد بنانا مشکل کام۔

بیت اللہ" کے مفہوم میں وسعت :

یہ قلب عبد اللہ (انسان کا دل) عرش اللہ ہے۔ اللہ تعالی نے اس کو اپنا گھر کہا ہے اور اللہ کے گھر کو ہی تو مسجد کہتے ہیں۔ بیت اللہ دنیا کی مسجدوں کی ماں ہے۔ باقی سب مسجدیں گویا اس کی بیٹیاں ہیں۔ کیا بیت اللہ میں معاذ اللہ اللہ تعالی رہتے ہیں؟ نہیں نہیں' بلکہ وہاں اللہ تعالی کی خاص تجلیات کا ورود ہوتا ہے' وہاں تو تجلیات ذاتیہ وارد ہوتی ہیں۔ جس طرح بیت اللہ پر تجلیات وارد ہوتی ہیں اسی طرح جو بندہ اپنے دل کو بنا لیتا ہے اللہ تعالی کی خاص تجلیات (ذاتیہ) اس بندہ کے دل پر بھی وارد ہوتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِ مُؤْمِنٍ (نہ میں زمینوں میں سماتا ہوں نہ آسمانوں میں سماتا ہوں بلکہ میں مومن بندہ کے دل میں سماجاتا ہوں)

میرے دوستو! ہم اپنے گھر کی صفائی تو روزانہ کروائیں تاکہ بدبو نہ آئے اور جسے

اللہ تعالیٰ اپنا گھر کہیں اس میں گناہ کبیرہ کی نجاست پھیلائیں۔ اس گھر کے اندر اگر ہم گناہوں کی نجاست پھیلائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اس گھر کی طرف نگاہ رحمت سے کیسے دیکھیں گے۔

مردہ دل کی پہچان :

ایک شخص حضرت حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا' حضرت! پتہ نہیں ہمیں کیا ہو گیا ہے؟ ہمارے دل تو شاید سو گئے ہیں۔ حضرتؒ نے پوچھا' وہ کیسے؟ کہا' حضرت! آپ وعظ فرماتے ہیں' قرآن و حدیث بیان کرتے ہیں مگر ہمارے دلوں پر اثر نہیں ہوتا' یوں لگتا ہے کہ ہمارے دل سو گئے۔ حضرتؒ نے فرمایا' بھئی! اگر یہ حال ہے تو پھر یہ نہ کہو کہ دل سو گئے بلکہ یوں کہو کہ دل مو گئے۔ دل مر گئے۔ اس نے کہا' حضرت دل مر کیسے گئے؟ فرمایا بھئی! جو سویا ہوا ہو اسے جھنجھوڑا جائے تو وہ جاگ اٹھتا ہے اور جو جھنجھوڑنے سے بھی نہ جاگے وہ سویا ہوا نہیں وہ تو مویا ہوا ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث جسے سنائی جائے اور وہ اگر پھر بھی نہ جاگے تو وہ سویا ہوا نہیں بلکہ مویا ہوا ہوتا ہے۔

دل کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے :

جی ہاں، انسان کا دل بسا اوقات گناہوں کی ظلمت کی وجہ سے مر جاتا ہے۔ مگر اسے زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

پرانے مرض کا علاج دل کو زندہ کرنا ہے۔ دل زندہ ہو گیا تو ہمارے اعمال میں

جان آجائے گی۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ زندگی میں بہار آجائے گی۔

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں کیا ہوا عالم بیاباں ہو گیا

آج ہمارے اعمال بے جان کیوں ہیں ؟ اس لئے کہ قلب میں محبت الٰہی کی وہ کیفیت نہیں جو ہونی چاہئے تھی۔ اس محبت کے ساتھ جو آدمی عمل کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو وہ اعمال پسند آجاتے ہیں۔ اگر دل پر محنت کر کے شیشے کی طرح چمکا دیا جائے تو پھر دیکھئے کہ اللہ رب العزت انسان کو کیسی کامیابیاں عطا فرماتے ہیں۔ وہ پروردگار عالم کا مقرب اور چنا ہوا بندہ بن جاتا ہے۔ اس کے قدم جدھر لگ جائیں زمین کے وہ ٹکڑے خوش ہو جاتے ہیں۔

بندۂ مومن کی دعا کی شان :

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جب مومن کی دعا کے الفاظ اوپر پہنچتے ہیں تو فرشتے حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بڑی مانوس آواز ہے، یہ آواز تو وہی ہے جو ہم پہلے بھی سنا کرتے تھے، فرشتے اس دعا کے لئے دروازے کھولتے چلے جاتے ہیں۔ اس بندہ کی آواز اللہ کے حضور پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کا شرف عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ اکبر

محبت الٰہی کے اثرات

میرے دوستو! جب محبت الٰہی دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو یہ انسان کو لوح ثریا پر پہنچا دیتی ہے، جس آنکھ میں محبت سما گئی وہ نگاہ ناز بن گئی، جس زبان میں محبت سما گئی

وہ زبان شجر موسوی کا مصداق بن گئی، جس دل میں محبت الٰہی سما گئی وہ قلب عرش اللہ کا مصداق بن گیا، جس شخصیت میں محبت الٰہی سما گئی وہ شخصیت برکات الٰہی کا سرچشمہ بن گئی۔ غرض یہ محبت الٰہی انسان کو اتنا اونچا اٹھاتی ہے کہ یہ خاک کی مٹھی فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

جب انسان حقیقی معنوں میں انسان بن جائے تو پھر اس کی ذات میں، کلام میں، نگاہ میں اور ہاتھوں میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے اعمال میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ نمازیں پڑھتے ہیں تو اس کا مزہ اور ہوتا ہے، مہمان نوازی کا مزہ اور ہوتا ہے، راتوں کو اٹھنے کا مزہ اور۔ ان کی پوری زندگی راتوں کو جاگنے میں گزر جاتی ہے۔

مجھ کو نہ اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے خیال میں
تاروں سے پوچھ لو میری روداد زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

ان باتوں کی وضاحت دو مثالوں سے سمجھئے۔

حضرت عیسیٰؑ کی مثال:

حضرت عیسیٰؑ کسی مردے کو قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ فرماتے تو اللہ تعالیٰ تھوڑی دیر کے لئے اس مردے کو زندہ فرما دیتے تھے۔ آج ہم سب مل کر کسی مردے کو قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کہیں تو کیا وہ کھڑا ہو جائے گا؟ نہیں کھڑا ہو گا۔ حالانکہ الفاظ وہی ہیں مگر کہنے والی

زبان میں فرق ہے۔ ان کی زبان ایسی مبارک تھی کہ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کے الفاظ نکلتے تھے اور مردے کھڑے ہو جاتے تھے۔

آئی جی پولیس کی مثال :

ایک عام آدمی سڑک پر جا رہا ہو اور وہ کسی پولیس والے کو دیکھے کہ وہ ٹھیک کام نہیں کر رہا۔ اس پر وہ پولیس والے سے کہے کہ میں نے تمہیں نوکری سے معطل کر دیا ہے تو کیا وہ پولیس والا معطل ہو جائے گا؟ نہیں ہو گا۔ بلکہ وہ اس کی گردن ناپے گا کہ تو کون ہوتا ہے ایسی بات کرنے والا۔ اس کے بعد اگر اسی سڑک سے آئی جی پولیس گزرے اور اسی پولیس والے کو بلا کر کہے کہ تیرا بیٹی نمبر کیا ہے؟ جاؤ میں نے تمہیں معطل کر دیا۔ اب وہ معطل ہو جائے گا یا نہیں؟ ضرور معطل ہو جائے گا، حالانکہ الفاظ وہی ہیں۔ ایک عام آدمی نے کہا تو الٹا اس کی جان کا مخالف بنا اور وہی الفاظ آئی جی پولیس نے کہے تو وہ معطل ہو گیا۔ فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ آئی جی کو ایک مقام حاصل ہوتا ہے جبکہ عام آدمی کو وہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح جب انسان کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا مقام حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے کردار اور گفتار میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

ایک صحابیؓ کی گفتار میں تاثیر :

صحابہ کرامؓ نے جب فارس پر حملہ کیا تو ایک ایسے شہر کا محاصرہ کیا جس میں بادشاہ

کا تخت بھی تھا۔ محاصرہ کئے ہوئے مسلمانوں کو کافی دن گزر گئے۔ بادشاہ نے اپنے ہمنواؤں سے مشورہ کیا کہ ان لوگوں سے کیسے چھٹکارا حاصل کریں، یہ تو جدھر بھی قدم اٹھاتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں، اگر یہ ہم پر مسلط ہو گئے تو ہم کیا کریں گے۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ بادشاہ سلامت! آپ ان کو بلا کر اپنا دبدبہ اور جاہ و جلال دکھائیں۔ یہ بھوکے ننگے لوگ ہیں، یہ ہمارے مال و دولت سے ڈر جائیں گے۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ اس نے پیغام بھجوایا کہ صلح کے لئے کوئی بندہ بھیجو جو مذاکرات کرے۔ صحابہ کرام نے ایک صحابیؓ کو اس طرف روانہ کیا۔

یہ ایسے صحابیؓ تھے جن کا کرتہ پھٹا ہوا تھا اور ببول کے کانٹوں سے سلا ہوا تھا۔ ان کے بیٹھنے کے لئے گھوڑے پر زین نہیں تھی بلکہ ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر آئے اور ہاتھ میں صرف نیزہ تھا۔ وہاں جا کر بادشاہ کے تخت پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ کو بڑا غصہ آیا کہنے لگا، تمہیں کوئی لحاظ نہیں کہ تم کس کے پاس آئے ہو، نہ کوئی آداب کا خیال، نہ طریقہ نہ سلیقہ۔ فرمایا کہ ہمارے محبوب ﷺ نے ہمیں بادشاہوں کے دربار میں اسی شان سے آنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ یہ سن کر اسے بڑا غصہ آیا۔ کہنے لگا تم کیا چاہتے ہو؟ فرمایا اَسْلِمْ تَسْلِمْ اسلام قبول کر لے سلامتی پا جا۔ کہنے لگا، نہیں قبول کرتا۔ فرمایا کہ اگر نہیں قبول کرتا تو پھر حکومت ہماری ہو گی اور تمہیں رہنے کی پوری آزادی ہو گی۔ اس نے کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی حکومت ایسے بھوکے ننگے غریب لوگوں کے حوالے کر دیں؟ صحابیؓ فرمانے لگے، اچھا یاد رکھنا کہ اگر یہ بات نہ مانی تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے، تلوار ہمارا اور تمہارا فیصلہ کرے گی اور تمہاری بیٹیاں ہمارے بستر بنایا کریں گی۔

بھرے دربار میں تلواروں کے سایہ میں بادشاہ کو اس طرح بے خوف ہو کر ایک

بات کہہ دی۔ درباریوں کے سامنے یہ بات سن کر بادشاہ کا پسینہ چھوٹ گیا۔ اس کی بڑی سبکی ہوئی۔ کہنے لگا، اچھا! تمہاری تو یہ زنگ بھری تلواریں ہیں، تم ان کے ساتھ ہمارا کیا مقابلہ کرو گے؟ آپ تڑپ کر بولے اے بادشاہ! تم نے ہماری زنگ بھری تلواروں کو تو دیکھا ہے لیکن تلواروں کے پیچھے والے ہاتھوں کو نہیں دیکھا، تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کن ہاتھوں میں یہ تلواریں ہیں۔ انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اللہ رب العزت نے ان کو کامیابی سے ہمکنار فرمادیا۔ جی ہاں، جو غیر اللہ سے نہیں ڈرتے اللہ تعالیٰ ان کی گفتار میں یوں تاثیر پیدا فرمادیتے ہیں۔

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا
حکم دیتا تھا دریا کو تو رستہ چھوڑ دیتا تھا

مفتی الٰہی بخش نقشبندیؒ کی گفتار میں تاثیر:

کاندھلہ میں زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا تھا۔ ہندو کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے ہم یہاں مندر بنائیں گے اور مسلمان کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے ہم یہاں مسجد بنائیں گے۔ جب دونوں طرف سے اس قسم کی باتیں ہونے لگیں تو پورے شہر کے اندر آگ لگنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ انگریز حکمران تھا۔ وہ پریشان ہوا کہ اب اس بات کو کیسے سنبھالا جائے۔ مقدمہ عدالت میں پہنچ گیا۔ جج انگریز تھا۔ اس کے سامنے مسلمان بھی کھڑے تھے اور ہندو بھی۔ جج نے کہا کوئی تجویز بتادو کہ جس سے جھگڑے کے بغیر ہی کوئی فیصلہ ہو سکے۔ ہندوؤں نے کہا کہ ہمارے پاس ایک تجویز ہے۔ جج نے پوچھا، وہ کونسی؟ کہنے لگے، ہم ایک مسلمان عالم کا نام بتادیتے ہیں۔ آپ ان کو اپنے پاس بلا لیجئے، اور ان سے پوچھ لیجئے کہ یہ جگہ کس کی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہندوؤں کی ہے تو ہمارے حوالے کر دیجئے اور اگر وہ کہیں کہ

مسلمانوں کی ہے تو ان کے حوالے کر دیجئے۔ مگر ہم ان کا نام صرف آپ کو تنہائی میں بتائیں گے، لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کریں گے۔ جج نے مسلمانوں سے پوچھا کہ کیا آپ کو یہ منظور ہے؟ مسلمانوں نے سوچا کہ وہ مسلمان ہو گا لہٰذا وہ مسجد بنانے کیلئے بات کرے گا۔ چنانچہ کہنے لگے، ہاں منظور ہے۔ جج نے فیصلہ کیلئے اگلی تاریخ دے دی۔

جج نے ہندوؤں سے تنہائی میں نام پوچھا تو انہوں نے مفتی الٰہی بخشؒ کا نام بتایا جو کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ باہر نکل کر دوسرے ہندوؤں نے اپنے نمائندہ ہندوؤں کی بڑی ملامت کی کہ تم نے ایک مسلمان کا نام دے دیا ہے۔ وہ تو مسلمانوں کے حق میں گواہی دے گا، تم نے تو اپنے ہاتھوں سے خود ہی زمین دے دی۔ مگر مسلمانوں کے دل بڑے خوش تھے کہ ایک مسلمان کی گواہی لی جائے گی۔ چنانچہ وہ خوشیاں منانے لگے۔

جب اگلی تاریخ آئی تو کثیر تعداد میں لوگ عدالت میں پہنچ گئے۔ مفتی الٰہی بخشؒ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ جج نے مفتی صاحب سے کہا، جناب! آپ بتایئے کہ یہ زمین مسلمانوں کی ہے یا ہندوؤں کی؟ مسلمان خوش تھے کہ ابھی کہیں گے کہ مسلمانوں کی ہے مگر مفتی صاحب نے فرمایا، یہ زمین ہندوؤں کی ہے۔ جج نے پوچھا کیا اس زمین پر ہندو اپنا گھر بنا سکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا، جب ہندوؤں کی ملکیت ہے تو مندر بنائیں یا گھر بنائیں ان کی مرضی، ان کو اختیار ہے۔ چنانچہ جج نے اسی وقت ایک تاریخی فیصلہ تاریخی الفاظ میں لکھا:

"آج کے اس مقدمے میں مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا"

جب جج نے یہ فیصلہ سنایا تو ہندوؤں نے کہا، جج صاحب! آپ نے فیصلہ ہمارے

حق میں دے دیا ہے۔ ہم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ اب ہم اپنے ہاتھوں سے اس جگہ مسجد بنائیں گے۔ سبحان اللہ

ایک اللہ والے کی زبان سے نکلی ہوئی سچی بات کا یہ اثر ہوا کہ ہندوؤں نے اسلام بھی قبول کیا اور اپنے ہاتھوں سے مسجد بھی بنادی۔ کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی :

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حضرت محمد دربندیؒ کی نگاہ میں تاثیر :

میرے دوستو! جس آدمی کے دل میں محبت الٰہی رچ بس جاتی ہے پروردگار عالم اس کی برکت سے ایسے ایسے بڑے کام کروا دیتے ہیں جو بڑی بڑی قومیں مل کر نہیں کر سکتیں۔ ساتویں صدی ہجری میں مسلمانوں میں غفلت کی عجیب کیفیت تھی۔ تاتاری آندھی کی طرح اٹھے اور انہوں نے مسلمانوں سے تخت و تاج چھین لیا۔ بغداد میں ایک دن میں اڑھائی لاکھ مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ مسلمانوں پر ان کا اتنا رعب تھا کہ ایک مقولہ بن گیا کہ اگر تمہیں کوئی کہے کہ فلاں محاذ پر تاتاریوں نے شکست کھائی تو اسے تسلیم نہ کرنا۔

دربند ایک شہر تھا۔ تاتاریوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو وہاں کے سب مسلمان شہر سے بھاگ نکلے۔ مگر خواجہ محمد دربندیؒ اور ان کے ایک خادم خاص مسجد میں بیٹھے رہے۔ جب تاتاری شہزادہ شہر میں داخل ہوا تو مسلمانوں کے دولت اور مال سے بھرے ہوئے عالیشان گھروں کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ دیکھو، دشمن اتنا ڈرپوک ہے کہ اپنی نازو نعمتوں سے بھری جگہوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ اس نے فوجیوں سے کہا کہ پورے شہر میں دیکھو کہ کوئی آدمی موجود تو نہیں۔ اس کو اطلاع ملی

کہ وہ بندے موجود ہیں۔ اس نے کہا کہ گرفتار کر کے پیش کرو۔ چنانچہ فوجی آئے اور انہوں نے ان دونوں کو زنجیروں سے باندھ دیا۔

وہ ان کو لے کر شہزادے کے سامنے پیش ہوئے۔ شہزادے نے دیکھ کر کہا کہ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اس شہر میں ہم داخل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں معلوم تھا۔ وہ کہنے لگا، پھر تم شہر چھوڑ کر کیوں نہیں نکلے؟ فرمایا، ہم تو اللہ کے گھر میں بیٹھے تھے۔ اس نے کہا، تم کہتے ہو کہ ہم اللہ کے گھر میں بیٹھے تھے، تمہیں پتہ نہیں کہ ہمارے پاس تلواریں بھی ہیں، تمہیں پتہ نہیں کہ ہم نے تمہیں زنجیروں سے باندھا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا، یہ زنجیریں کیا ہیں؟ کہنے لگا، کیوں؟ فرمایا، یہ زنجیریں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ وہ حیران ہوا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ یہ زنجیریں کچھ نہیں کر سکتیں۔ کہنے لگا، تمہیں ان زنجیروں سے ہمارے سوا کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ فرمایا، کیا کوئی نہیں چھڑا سکتا؟ حضرت محمد درہمدیؒ کو جلال آیا اور وہیں کھڑے کھڑے شہزادے کے سامنے کہا "اللہ"۔ اللہ کے لفظ سے زنجیریں ایسے ٹوٹیں جیسا کچا دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس سے شہزادے کے دل پر رعب بیٹھ گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے فوجیوں سے کہا کہ ان کو اسی شہر میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ شہزادے کو ان سے عقیدت ہو گئی۔ لہٰذا وہ کبھی کبھی ان بزرگوں کے پاس آتا جاتا۔ حضرت درہمدیؒ نے اس کے سینے پر نگاہیں گاڑ کر اس کے دل کی دنیا کو بدلا۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی وجہ سے دوسرے شہزادے بھی مسلمان ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پوری سلطنت پھر مسلمانوں کے حوالے فرما دی:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

جو کام پوری قوم نہ کر سکی اللہ کے ایک بندے نے وہ کام کر دیا:

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگہ کی تیر بازی وہ سپہ کی تیر بازی

حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی گفتار میں تاثیر:

محبت الٰہی سے انسان کے کلام میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ وہی باتیں آپ عام بندے سے بھی سنیں گے مگر طبیعت پر اثر نہیں ہوگا اور اگر کسی عشق والے کامل بندے سے سنیں گے تو طبیعت پر اثر ہوگا۔ الفاظ ایک جیسے ہوں گے مگر الفاظ کہنے والی زبان میں فرق ہوگا۔ مشائخ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے بیٹے شاہ رکن الدین فارغ التحصیل ہو کر آئے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرتؒ نے فرمایا، رکن الدین! کچھ نصیحت کرو۔ رکن الدین نے بڑا علم حاصل کیا تھا۔ لہٰذا اٹھے اور بڑی معرفت کی باتیں بیان کرنا شروع کر دیں، بڑے نکات بیان کیے۔ مجمع خاموشی سے سنتا رہا مگر کسی کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب انہوں نے بیان مکمل کر لیا تو حضرتؒ فرمانے لگے کہ ہاں رکن الدین! رات ہم نے اپنے لئے دودھ رکھا تھا، بس ایک بلی آئی اور وہ دودھ پی کر چلی گئی۔ حضرتؒ کے الفاظ کہنے ہی تھے کہ مجمع لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا۔ حضرتؒ نے پوچھا 'بیٹے! آپ نے معارف بیان کیے مگر مجمع پر اثر انداز نہ ہوئے۔ میں نے تو اتنا ہی کہا کہ میں نے دودھ رکھا تھا اور بلی پی گئی۔ یہ سن کر مجمع لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا ہے، اس کی کیا وجہ؟ بیٹا سمجھ گیا۔ چنانچہ کہنے لگا، ابو! جس زبان سے یہ الفاظ نکلے اس زبان میں یہ تاثیر تھی جس نے لوگوں کے دلوں کو اس طرح پگھلا دیا ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ کی نگاہ میں تاثیر:

اللہ والوں کی نگاہ جس پر پڑ جاتی ہے اس چیز پر بھی اثر ہو جایا کرتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالقادرؒ نے ایک مرتبہ مسجد فتح پور دہلی میں چالیس دن کا اعتکاف کیا۔ جب باہر دروازہ پر آئے تو ایک کتے پر نظر پڑ گئی۔ ذرا غور سے اس کو دیکھا۔ اس کتے میں ایسی جاذبیت آئی کہ دوسرے کتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے۔ وہ جہاں جا کر بیٹھتا دوسرے کتے اس کے ساتھ جا کر بیٹھتے۔ حضرت اقدس تھانویؒ نے جب یہ واقعہ سنا تو ہنس کر فرمایا کہ وہ ظالم کتا بھی کتوں کا پیر بن گیا۔ دیکھا، ایک ولی کامل کی نظر ایک جانور پر پڑی تو اس کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو گئی، اگر انسان پر نظر پڑے گی تو اس انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا کیوں نہیں ہو گی۔

مفتی لطف اللہ کے کردار میں تاثیر:

حضرت مفتی لطف اللہ سہارنپوریؒ دارالعلوم دیوبند کے ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ اپنی مستورات کو لے کر کسی شادی میں شمولیت کیلئے جانا تھا۔ ایک سواری بنالی جس کے اوپر گھر کی ساری عورتیں بیٹھ گئیں، بچے بھی بیٹھ گئے۔ مرد صرف آپ ہی ساتھ تھے۔ آپ ان کو لے کر شادی میں شریک ہونے کیلئے دوسری جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ ویرانہ آیا۔ وہاں کچھ ڈاکو چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ کوئی سواری آرہی ہے جس پر بہت ساری پردہ دار خواتین ہیں اور صرف ایک مرد ہے تو وہ باہر نکل آئے۔ سواری کو گھیر لیا۔ کہنے لگے کہ ہم مال بھی لوٹیں گے اور عزتیں بھی خراب کریں گے۔ حضرتؒ فرمانے لگے، آپ

یہ سارے کا سارا مال لے جائیں مگر ان پردہ دار خواتین کے سروں سے چادریں نہ کھینچئے۔ آپ کو ان کے کانوں سے زیور کھینچنے کی ضرورت نہیں، ہم خود ہی اتار کر سارے کا سارا زیور آپ کو دے دیتے ہیں۔ ڈاکو کہنے لگے بہت اچھا۔ آپ نے گھر کی مستورات سے فرمایا کہ سب زیورات اتار کر دے دو۔ وہ نیک عورتیں تھیں۔ انہوں نے سب چوڑیاں، سب انگوٹھیاں وغیرہ اتار کر ایک رومال میں رکھ دیں۔ آپ نے اس کی گٹھڑی باندھی اور ڈاکوؤں کے سردار کے حوالے کر دی۔ اور فرمایا کہ ہمارے پاس جتنا زیور تھا وہ ہم نے آپ کو دے دیا ہے۔ آپ ہماری پردہ دار خواتین کی ناموس کو دھبہ نہ لگائیں اور اب ہماری جان بخشی کر دیں۔ ڈاکوؤں نے جب دیکھا کہ مال کی گٹھڑی خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے باندھ کر دے دی ہے تو کہنے لگے، بہت اچھا آپ جائیے۔

جب آپ تھوڑا سا آگے بڑھے تو گھر کی عورتوں میں سے ایک نے کہا کہ اوہو! میری ایک انگلی میں سونے کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا چھلہ (Ring) رہ گیا ہے، میرا دھیان ہی نہیں گیا، میں نے تو وہ دیا نہیں۔ آپ نے سنا تو سواری کو روک دیا اور اسے کہا کہ وہ بھی اتار کر دے دو، کیونکہ میں نے کہا تھا کہ ہم تمہیں سارے زیورات دیں گے، اب یہ مناسب نہیں کہ ہم یہ چھلہ واپس لے جائیں۔ چنانچہ آپ نے وہ چھلہ لیا اور ڈاکوؤں کے پیچھے بھاگنے لگے۔ جب ڈاکوؤں نے دیکھا کہ کوئی پیچھے بھاگتا ہوا آرہا ہے تو پہلے تو وہ گھبرائے پھر انہوں نے کہا، کوئی بات نہیں، یہ تو اپنے ہاتھ سے پوری گٹھڑی باندھ کر دے چکا ہے، اب یہ ہمارا کیا کر لے گا۔ چنانچہ وہ وہیں کھڑے ہو گئے۔ جب حضرتؒ وہاں پہنچے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ آپ ان کی منت کر کے فرمانے لگے کہ میں نے آپ سے تو وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے سب زیورات آپ کو دے

دیں گے مگر یہ ایک چھوٹا سا چھلہ ہماری ایک بیٹی نے پہنا ہوا تھا۔ اس کی طرف دھیان ہی نہ گیا، اور یہ ہمارے ساتھ جا رہا تھا، میں یہ لے کر آیا ہوں تاکہ یہ بھی آپ لوگوں کے حوالے کر دوں۔

ڈاکوؤں کے سردار نے جب یہ سنا تو اس کے جسم کے اندر ایک ایسی لہر دوڑی کہ اسے پسینہ آ گیا اور کہنے لگا، اوہو! یہ اتنا نیک اور دیانتدار بندہ ہے، یہ تو اتنی چھوٹی سی بات کا اتنا لحاظ رکھتا ہے اور میں نے بھی اپنے پروردگار کا کلمہ پڑھا ہے مگر میں اپنے پروردگار کے کلمے کی لاج نہیں رکھتا۔ چنانچہ اسی وقت کہنے لگا، حضرت میری زندگی برائی کرنے اور لوگوں کی عزتیں لوٹنے میں گزر گئی ہے اور میں نے لوگوں کا مال بھی چھینا ہے، بہت گناہ گار ہوں۔ مجھے آپ بھی معاف کر دیں اور مجھے توبہ کا طریقہ بھی بتا دیں تاکہ میرا پروردگار بھی مجھے معاف کر دے۔

ایک عورت کی برکت سے قحط سالی ختم:

میرے دوستو! یاد رکھئے کہ جس انسان کے اندر محبت الٰہی پیدا ہو جاتی ہے، اگر اس کی برکت سے دعائیں مانگی جائیں تو اللہ رب العزت ان دعاؤں کو بھی شرف قبولیت نصیب فرما دیتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ دہلی میں قحط پڑا۔ بارش ہونا بند ہو گئی۔ جس کی وجہ سے دریا، نہریں اور تالاب خشک ہو گئے۔ سبزیاں اور کھیتیاں خشک ہو گئیں۔ پانی اور غلے کی قلت ہو گئی۔ ہر طرف گرمی کی وجہ سے لوگ بے تاب ہو گئے، بچے رونے لگے، مائیں تڑپنے لگیں، جانور پریشان ہو گئے، چرند پرند نڈھال ہو گئے کہ قحط سالی کیسے ختم ہو۔ علمائے کرام نے فیصلہ کیا کہ سارے شہر والے مرد عورتیں بچے بوڑھے خود بھی باہر نکلیں اور اپنے جانوروں کو بھی باہر لائیں اور ایک بڑے میدان میں نماز استسقاء ادا کریں اور

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں تاکہ اللہ تعالیٰ رحمت کی بارش برسادیں۔ دہلی کا شہر اس وقت چھوٹا ہوتا تھا۔ چنانچہ سب لوگ باہر نکلے۔ نماز استسقاء ادا کی اور رورو کر دعائیں مانگنے لگے کہ اے رب کریم! اپنی رحمت سے بارش نازل فرما اور ہمیں اس مشکل سے نجات عطا فرما۔ مگر ظاہری طور پر کوئی اسباب نظر نہ آئے۔

ایک نوجوان اپنی والدہ کے ہمراہ اونٹ پر سوار قریب سے گزرا۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو رک گیا۔ اپنے اونٹ کو وہیں روک کر مجمع کے پاس آیا اور پوچھا کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ قحط سالی سے تنگ آکر لوگ بارش کیلئے دعا مانگ رہے ہیں لیکن بارش کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ اس نے کہا، بہت اچھا، میں آپ کیلئے بارش کی دعا مانگتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی سواری کے پاس گیا۔ اس نے اپنی والدہ کی چادر کا کونہ پکڑ کر کچھ الفاظ کہے۔ اس کے الفاظ کہنے ہی تھے کہ اسی وقت آسمان پر بادل نمودار ہوئے۔ مجمع وہیں تھا، علماء و مشائخ وہیں، مرد و عورتیں وہیں کھڑی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش برسادی۔ اتنی بارش ہوئی کہ لوگ نہال ہو گئے۔

علمائے کرام بڑے حیران ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ اتنے لوگوں نے دعا مانگی مگر قبول نہ ہوئی اور اس نوجوان نے دعا مانگی اور قبول ہو گئی۔ چنانچہ اس نوجوان کے پاس جا کر پوچھا کہ آپ نے کونسی دعا مانگی؟ وہ کہنے لگا، کوئی ایسی خاص دعا تو نہیں، البتہ میں ایک نیک ماں کا بیٹا ہوں، میری ماں تقیہ نقیہ اور پاک صاف زندگی گزارنے والی ہے، کبھی کسی غیر محرم کا ہاتھ اس کے جسم کے ساتھ نہیں لگا۔ جب آپ نے کہا کہ ہم مشکل اور پریشانی میں گرفتار ہیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک ایسی ماں کا بیٹا ہوں جس نے اپنی پوری زندگی پاک دامنی میں گزار دی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی ماں کی چادر کا کونہ پکڑ کر دعا کی کہ اے اللہ! تجھے اس کی پاکدامنی کا واسطہ دیتا ہوں تو

رحمت کی بارش نازل فرمادے۔ اللہ تعالیٰ کو میری ماں کی نیکی اتنی پسند آئی کہ اس نے اس کے واسطے سے رحمت کی بارش برسادی۔

محبت الٰہی سے ذات میں تاثیر:

ایک بزرگ تھے۔ وہ سفر پر جارہے تھے۔ راستہ میں انہیں ایک عیسائی ملا۔ اس نے کہا کہ مجھے بھی سفر پر جانا ہے چلیں ہم اکٹھے سفر کریں۔ چنانچہ اکٹھے سفر پر چل پڑے۔ راستہ میں ان کے پاس کھانے پینے کی جو اشیاء تھیں وہ ختم ہوگئیں۔ فاقے شروع ہوگئے۔ آگے چلے تو سوچا کہ اب کیا کریں۔ ان بزرگ (مسلمان) نے مشورہ دیا کہ آج میں دعا مانگتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جو رزق دیں گے وہ ہم کھالیں گے اور کل آپ دعا مانگنا۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ پہلے دن مسلمان نے دعا مانگی کہ اے اللہ! میں مسلمان ہوں، اپنے محبوب ﷺ کے دین کی حقانیت کو ظاہر فرمادے اور میری لاج رکھ لے۔

میری لاج رکھ لے میرے خدا
یہ تیرے حبیبؐ کی بات ہے

ابھی دعا مانگی ہی تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی کھانے کی بھری ہوئی ایک بڑی سی طشتری لے کر آگیا۔ مسلمان دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میری لاج رکھ لی۔ پھر سوچنے لگے کہ آج تو اسلام کی برکت سے کھانا مل گیا ہے، اب دیکھیں گے کہ کل عیسائی کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔

کل کا دن آگیا۔ اب عیسائی کی باری تھی۔ چنانچہ وہ بھی ایک طرف چلا گیا۔ اس نے ایک مختصر سی دعا مانگی اور واپس آگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی دو بڑی بڑی طشتریوں میں بھونا ہوا گوشت لے کر حاضر ہوگیا۔ جب مسلمان بزرگ نے دیکھا تو

حیران ہوئے کہ میں نے کل اسلام کی برکت سے دعا مانگی تو ایک طشتری میں کھانا ملا اور آج اس عیسائی نے دعا مانگی تو اس کی دعا پر دو طشتریوں میں کھانا آگیا۔ یہ کیا معاملہ ہوا؟ ادھر عیسائی بڑا خوش ہے۔ اس نے دستر خوان بچھایا اور کہنے لگا، جناب! آکر کھانا کھالیجئے۔ مسلمان بزرگ بجھے دل کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، کھانا زہر لگ رہا تھا۔ عیسائی نے کہا، مجھے آپ کا دل پریشان سا نظر آتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں واقعی پریشان ہوں کہ یہ کیا معاملہ ہوا۔

وہ کہنے لگا، آپ تسلی سے کھانا کھائیں، میں آپ کو دو خوشخبریاں سناؤں گا۔ وہ فرمانے لگے، نہیں، میں کھانا نہیں کھا سکتا کیونکہ میرا دل غمزدہ ہے، تم خوشخبری پہلے سناؤ تب کھانا کھاؤں گا۔ وہ عیسائی کہنے لگا، جب میں وہاں گیا تو میں نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! یہ تیرا عزت والا مومن بندہ ہے، تو اس کی برکت سے میرے لئے دو طشتریوں میں کھانا بھیج دے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرا واسطہ دینے پر دو طشتریوں میں کھانا بھجوا دیا۔ لہذا پہلی خوشخبری تو یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں اور دوسری خوشخبری یہ ہے کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں۔ اللہ اکبر

محبت الٰہی سے ہاتھ میں تاثیر:

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک آدمی ملا۔ پوچھا کون ہو؟ کہنے لگا، میں آتش پرست (آگ پوجنے والا) ہوں۔ دونوں نے مل کر سفر شروع کر دیا۔ راستہ میں بات چیت ہونے لگی۔ اس بزرگ نے اس کو سمجھایا کہ آپ خواہ مخواہ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ آگ تو خدا نہیں، خدا تو وہ ہے جس نے آگ کو بھی پیدا کیا ہے۔ وہ نہ مانا۔ بالآخر ان بزرگوں کو بھی جلال آگیا۔ انہوں نے فرمایا، اچھا اب ایسا کرتے ہیں کہ آگ جلاتے ہیں اور دونوں اپنے

اپنے ہاتھ اس آگ میں ڈالتے ہیں۔ جو سچا ہو گا آگ کا اس پر کچھ اثر نہیں ہو گا اور جو جھوٹا ہو گا آگ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی۔ وہ بھی تیار ہو گیا۔ چنانچہ اس جنگل میں انہوں نے خوب آگ جلائی۔ آگ جلانے کے بعد مجوسی گھبرانے لگا۔ جب ان بزرگوں نے دیکھا کہ اب پیچھے ہٹ رہا ہے تو انہوں نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اپنے ہاتھ میں اسکا ہاتھ لے کر آگ میں ڈال دیا۔ ان بزرگوں کے دل میں تو پکا یقین تھا کہ میں مسلمان ہوں، اور اللہ تعالیٰ میری حقانیت کو ضرور ظاہر فرمائیں گے، دین اسلام کی شان و شوکت واضح فرمائیں گے۔ لیکن اللہ کی شان، نہ ان بزرگوں کا ہاتھ جلا اور نہ اس آتش پرست کا ہاتھ جلا۔ وہ آتش پرست بڑا خوش ہوا اور یہ بزرگ دل ہی دل میں بڑے رنجیدہ ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے کہ اے اللہ! میں سچے دین پر تھا، آپ نے مجھ پر تو رحمت فرما دی کہ میرے ہاتھ کو محفوظ فرما لیا، یہ آتش پرست تو جھوٹا تھا، آگ اس کے ہاتھ کو جلا دیتی۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات القا فرمائی کہ میرے پیارے! ہم اس کے ہاتھ کو کیسے جلاتے جبکہ اس کے ہاتھ کو آپ نے پکڑا ہوا تھا۔ سبحان اللہ، اللہ والوں کے ہاتھوں میں ایسے برکت آجاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ **هُمْ رِجَالٌ لَا يَشْقٰى** کہ وہ ایسے بندے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوا کرتا۔ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالیں اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان فرما دیتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں درختوں کی ٹہنیاں ہوں اور دشمن تلواریں لے کر آئے تو وہ ٹہنیاں بھی تلواریں بن جایا کرتی ہیں۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

سات آدمیوں کی برکت :

حدیث پاک میں آتا ہے اِنَّ لِلّٰہِ فِیْ کُلِّ زَمَانٍ......الخ سات بندے ایسے ہیں کہ بِھِمْ یُنْزَلُوْنَ کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں، وَبِھِمْ یُنْصَرُوْنَ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد فرماتے ہیں۔ وَبِھِمْ یُرْزَقُوْنَ اور ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو رزق دیتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے محنت کی ہوتی ہے۔ ان کے رگ وریشہ میں اللہ رب العزت کی محبت سماچکی ہوتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ہم اس درجے کو کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ میرے دوستو! یہ درجہ اور مقام ہر انسان حاصل کر سکتا ہے۔ بشر طیکہ وہ اپنے آپ کو شریعت وسنت کے مطابق ڈھال لے۔ یہ نہیں ہے کہ یہ صرف مقدر میں تھا بلکہ اللہ رب العزت نے اس (معرفت خداوندی) کو سب کے لئے آسان فرمادیا۔ جیسے آپ میں سے کوئی آدمی چاہے کہ میں پہلوان بن جاؤں اور وہ اس کیلئے اچھی غذا کھائے، محنت کرے اور مشقت اٹھائے تو کچھ دنوں کے بعد اس کی صحت یقیناً پہلے سے بہتر ہوگی۔ یہی روحانی صحت کا حال ہے کہ اگر کوئی انسان سچی پکی توبہ کرلے اور آئندہ نیکوکاری کا ارادہ کرلے اور سنت کے مطابق زندگی کو ڈھالتا چلا جائے، تقویٰ کی زندگی کو اختیار کرلے تو پروردگار اس کی روحانی صحت میں ضرور بالضرور اضافہ فرمادیں گے اور اسے اللہ رب العزت کا قرب نصیب ہو جائے گا۔ یہاں ایک اصول ذہن میں رکھئے کہ نبوت وھبی چیز ہے جو صرف انبیائے کرام علیہم السلام کو نصیب ہوتی ہے

اور ولایت ایسی چیز ہے جو ہر بندہ محنت کر کے حاصل کر سکتا ہے۔

محبت الٰہی کا رنگ :

انسان کو جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس پر محبت الٰہی کا ایسا رنگ چڑھ جاتا ہے کہ اسے ہر شئے سے زیادہ اپنے پروردگار کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ اسی رنگ کے بارے میں اللہ رب العزت نے خود ارشاد فرمایا، صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اللہ کا رنگ اور اللہ سے کون بہتر ہے رنگنے میں۔ یاد رکھیں کہ ایک رنگ ہوتا ہے، ایک رنگ فروش ہوتا ہے اور ایک رنگ ریز ہوتا ہے۔ یہ کتاب و سنت رنگ ہے، علمائے کرام رنگ فروش ہیں اور اولیائے عظام رنگ ریز ہیں۔ کپڑے پر جس طرح رنگ ریز رنگ چڑھا دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ والے اللہ کا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو جا یا سنگ ہو جا

مولانا محمد علی جوہرؒ پر محبت الٰہی کا رنگ :

مولانا محمد علی جوہرؒ قریب زمانہ میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے نقشبندی مشائخ کے زیر سایہ تربیت پائی۔ ان مشائخ نے ان کے دل میں محبت الٰہی بھر دی تھی۔ انہوں نے دل میں عہد کر لیا کہ مسلمانوں کو جب تک آزادی نہیں ملے گی میں اس وقت تک قلم کے ذریعے جہاد کرتا رہوں گا۔ اس مقصد کیلئے آپ انگلینڈ تشریف لے گئے۔ وہاں کے اخبارات میں اپنے مضامین لکھنا شروع کر دیئے کہ انگریز کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کو آزادی دے دیں۔ انہوں نے وہاں یہ نیت کی کہ جب تک مسلمانوں کو آزادی نہیں ملے گی میں واپس وطن نہیں جاؤں گا۔ اسی حال میں کئی

مرتبہ ان کو تکالیف بھی آئیں اور جیل میں بھی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ انہوں نے جیل میں چند اشعار لکھے۔ فرمایا:

تم یونہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے
پر غیب میں سامان بقا میرے لئے ہے
پیغام ملا تھا جو حسین ابن علیؓ کو
خوش ہوں کہ وہ پیغام قضا میرے لئے ہے
یوں ابر سیہ پر تو فدا ہیں سبھی مے کش
پر آج کی گھنگھور گھٹا میرے لئے ہے
اللہ کے رستے میں جو موت آئے مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اسی قیام کے دوران آپؒ کی بیٹی بیمار ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے علاج معالجہ کرنے سے جواب دے دیا۔ ماں نے اپنی جوان عمر بیٹی سے پوچھا، بیٹی! کوئی آخری تمنا ہو تو بتا دے۔ بیٹی نے کہا، ابا جی کی زیارت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ چنانچہ ماں نے خط لکھوادیا۔ قریب الموت بیٹی کا خط پردیس میں ملا کہ میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی ہوں اور دل کی آخری تمنا ہے کہ ابا حضور تشریف لائیں تو میں آپ کا دیدار کروں۔ حضرت کو جب وہ خط ملا تو دو شعر اسی خط کی پشت پر لکھ کر واپس بھیج دیا۔ فرمایا:

میں تو مجبور سہی اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں

تیری صحت ہمیں منظور ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

حضرت عثمان خیر آبادیؒ پر محبت الٰہی کا رنگ :

حضرت عثمان خیر آبادیؒ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ان کی ایک دکان تھی۔ان کی عادت تھی کہ جب کوئی گاہک آتا اور اس کے پاس کبھی کوئی کھوٹا سکہ ہوتا تو وہ پہچان تو لیتے تھے مگر پھر بھی وہ رکھ لیتے اور سودا دے دیتے۔اس دور میں چاندی کے بنے ہوئے سکے ہوتے تھے۔وہ سکے گھسنے کی وجہ سے کھوٹے کہلاتے تھے۔وہ کھوٹے سکے جمع کرتے رہتے۔ساری زندگی یہی معمول رہا۔جب موت کا وقت قریب آیا تو آخری وقت انہوں نے پہچان لیا۔اس وقت اللہ رب العزت کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! میں ساری زندگی تیرے بندوں کے کھوٹے سکے وصول کرتا رہا تو بھی میرے کھوٹے عملوں کو قبول فرمالے۔سبحان اللہ محبت الٰہی کے رنگ میں ایسے رنگے ہوئے تھے۔

عشق و محبت کی دکانیں :

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے حضرت شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادیؒ کی صحبت میں جانا شروع کر دیا۔یہ ذرا عقلی بندے تھے۔ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑے رازدارانہ لہجہ میں پوچھا کہ محمد علی! کیا تم نے کبھی عشق کی دکان بھی دیکھی ہے؟انہوں نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر کہنے لگے،جی حضرت! میں نے عشق کی دو دکانیں دیکھی ہیں۔ایک شاہ آفاق کی اور دوسری شاہ عبداللہ کی۔غلام علی دہلویؒ جو سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔دکانوں سے مراد خانقاہیں ہیں کیونکہ عشق الٰہی کا سودا اللہ والوں کی خانقاہوں سے ملتا ہے۔

عشق کی ایک دکان کا آنکھوں دیکھا حال :

میرے دوستو! اللہ کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں۔ اس عاجز نے مجمع میں کبھی اس طرح قسمیں نہیں کھائیں۔ مگر آج میرے جی نے چاہا کہ یہ بات عرض کر دی جائے کہ اس عاجز نے بھی اپنی زندگی میں عشق کی ایک دکان دیکھی ہے۔ اس کے گواہ حضرت حکیم عبد اللطیف صاحب مدظلہ العالی بیٹھے ہیں۔ وہ عشق کی دکان چکوال میں دیکھی تھی۔ وہاں پینے والے آتے تھے، کوئی مشرق سے آتا تھا، کوئی مغرب سے آتا تھا، کوئی پشاور سے آتا تھا، کوئی کراچی سے آتا تھا، کہیں سے منیر صاحب چلے آرہے ہوتے تھے، کہیں سے حکیم عبد اللطیف صاحب آرہے ہوتے تھے، کہیں سے مولانا نعیم اللہ صاحب آرہے ہوتے تھے۔ کہیں سے کوئی عشق کی پڑیا لینے آتا تھا اور کہیں سے کوئی عشق کا پیالہ پینے کیلئے آتا تھا۔ یہ عشق کے سودائی، یہ محبت الٰہی کے منگتے، یہ محبت الٰہی لینے والے فقیر بے تاب ہو کر اپنے گھروں سے کھنچے چلے آتے تھے۔

یہ وہاں جاتے تھے۔ وہاں ایک مربی، اور شیخ تھے جن کی زندگی اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق ڈھل چکی تھی، جن کا سینہ عشق الٰہی سے بھر چکا تھا۔ وہ عشق کی دوا بیچتے تھے۔ کبھی کسی کو تنہائی میں بٹھا کر دیتے، کبھی کسی سے بیان کروا کر دیتے، کبھی کسی کو سامنے بٹھا کر دیتے، کبھی کسی کو ڈانٹ پلا کر دیتے۔ جو عشق کی دوا پی لیتے تھے وہ اپنے سینوں میں عشق کی گرمی لے کر جاتے تھے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ جب ان حضرات کے دلوں میں انہوں نے عشق کی ایسی گرمی بھر دی تو پتہ نہیں کہ اللہ نے ان کے اپنے دل میں عشق کی کیا حرارت رکھی ہو گی۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ! کیا آگ بھری ہو گی

اللہ رب العزت ہمیں ان جگہوں پر بار بار جانے کی اور وہاں سے عشق کی پڑیا لینے کی توفیق نصیب فرمادے۔

محبت کا سلگنا اور بھڑکنا :

میرے دوستو! ہمارے دلوں میں محبت الٰہی موجود تو ہے مگر سلگ رہی ہے۔ بھڑکنے والی چیز اور ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کے دلوں میں محبت الٰہی کی یہ آگ بھڑک رہی ہوتی ہے۔ یہی فرق ایک عام آدمی اور ایک ولی میں ہوتا ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

دونوں کے الفاظ و معانی ایک جیسے ہوتے ہیں، کچھ فرق نہیں ہوتا مگر مسجد میں کھڑے ہو کر اذان دینا اور بات ہے اور جہاد کے موقع پر دشمن کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دینا اور بات ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ہم جیسے تو کرگس جیسی زندگی گزارتے ہیں اور اللہ والے شاہین کی سی زندگی گزارتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو بلند پرواز ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ

لمحہ ء فکریہ :

آج اس محفل میں اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے دلوں میں کس کی محبت غالب ہے۔ مال کی، اپنے عہدے کی' مکان کی' کار کی یا کسی انسان کی۔ اگر دل کہتا ہے کہ ابھی محبت الٰہی کا جذبہ غالب نہیں تو پھر وہ وقت کب آئے گا۔ ہم اپنی زندگی

کا کتناوقت کلمہ پڑھتے گزار چکے ہیں، اگر ابھی تک یہ کیفیت حاصل نہیں ہوئی تو پھر یہ کیفیت ہمیں کب حاصل ہوگی۔

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا اللہ
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

جب تک دل گواہی نہیں دے گا یہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنے کا کیا اثر سامنے آئے گا۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہندو اللہ کو رام کہتے ہیں۔ اس لئے کہنے والے نے کہا:

رام رام جپدیاں میری جبھیا گھس گئی
رام نہ دل وچ وسیا ایہہ کی دھاڑ پئی
گل وچ مالا کاٹھ دی تے منکے لئے پرو
دل وچ گھنڈی پاپ دی تے رام جپیاں کی ہوَ

جب دل میں پاپ (گناہ) کی گھنڈی ہوگی تو پھر رام جپنے کا کیا فائدہ ہوگا۔ اس لئے میرے دوستو! دل سے اس بات کا عہد کریں کہ، اے اللہ! آج سے تیری نافرمانی نہیں کریں گے، آج کے بعد تیرے محبوب ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے۔

لوگ کہتے ہیں کہ جی قرآن مجید پڑھتے ہوئے احساس نہیں ہوتا، جی نماز تو پڑھتے ہیں لیکن پتہ نہیں چلتا۔ بھئی ہمیں محبت ہے ہی کہاں۔ اگر ہے بھی سہی تو بہت تھوڑی، اسے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں نفس سے محبت زیادہ ہے تبھی تو ہم

تہجد میں نہیں اٹھتے۔ ہم آرام پسند ہیں۔ ہمیں مال سے محبت زیادہ ہے اسی لئے زکوۃ نہیں دیتے، مال سے محبت زیادہ ہے اسی لئے حرام حلال کھاتے پھرتے ہیں، ہمیں طعام کی زیادہ لذت ملتی ہے اسی لئے گلی بازاروں میں جو کچھ بنا ہوا ہو کھاتے پھرتے ہیں۔ کوئی تحقیق نہیں ہوتی کہ یہ کہاں سے بنا اور کیسے بنا۔

میرے دوستو! ایک وقت تھا کہ اندر جاگتا ہوا دل ہوتا تھا' اندر کا انسان جاگتا تھا' اور آج اندر کا انسان سویا ہوا ہے۔ بلکہ سچ کہوں کہ اندر کا انسان مویا (مرا) ہوا ہے۔ ہمیں اپنی نمازوں پر محنت کرنا چاہئے کیونکہ قیامت کے دن سب سے پہلے انسان کی نمازوں کو دیکھا جائے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہمیں اب یہ احساس بھی نہیں رہا کہ ہم جو سجدے کرتے ہیں کاش کہ وہ حضوری کے ساتھ کر لیتے۔ اس لئے دل میں جہاں اور تمنائیں ہیں ان میں سب سے بڑی تمنا یہ ہو کہ اے اللہ! میں تجھے ایسے سجدے کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس وقت سب کو بھولا ہوا ہوں۔ ہم اپنے دل میں سوچیں کہ کیا ہم چار رکعتیں ایسی پیش کر سکتے ہیں کہ جن میں تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک غیر کا خیال نہ آیا ہو۔ یقیناً ہمارے لئے اپنی زندگی میں ایسی چار رکعتیں ڈھونڈنا مشکل ہیں۔

اگر آج ہم اپنی نمازوں پر محنت کرلیں تو میرے دوستو! اسی نماز کے پڑھنے سے ہماری پریشانیوں کے حل نکل سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی نماز پر محنت نہیں کی ہوتی۔ کھڑے مسجد میں ہوتے ہیں اور دل دماغ گھر میں پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ کئی اوٹ پٹانگ خیال جو عام وقت میں نہیں آتے عین نماز کی حالت میں آجاتے ہیں۔ میرے دوستو! یہ بے جان سجدے کب تک ہم کرتے رہیں گے۔ اللہ سے یوں مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں حضوری والی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما۔ ہم ایسی نماز پڑھنے والے بن جائیں

جس میں کسی غیر کا خیال نہ آئے۔ کسی شاعر نے کیا ہی اچھی بات کہی :

بہ زمین چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کر دی تو بہ سجدۂ ریائی

کہ جب میں نے زمین پر سجدا کیا تو زمین سے آواز آئی کہ اے ریاء کے سجدہ کرنے والے! تو نے مجھے بھی خراب کر ڈالا۔

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

میرے دوستو! ہمیں اللہ رب العزت کی رضا کیلئے عبادت کرنی چاہئے نیاز فتحی نے کیا خوب فرمایا ہے :

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے
ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے
عشق والے حساب کیا جانیں

اللہ رب العزت ہمیں اپنی سچی پکی محبت نصیب فرمادے۔

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ
الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۔اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُo
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ o

نبی اکرم ﷺ کا مقام :۔

نبی اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت نے سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء، امام الملائکہ، امام الکل بنا کر بھیجا۔ آپ کو وہ عزتیں اور بلندیاں بخشیں کہ جن پر انسان تو کیا فرشتے بھی عش عش کرا ٹھے۔

کن دنوں کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا؟

آج کی یہ محفل نبی اکرم ﷺ کے معراج کے واقعہ کے متعلق کچھ گفتگو سننے کے لئے منعقد ہوئی ہے۔ اللہ رب العزت نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ایسے واقعات جن سے اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں آئے، ان کا ہم آپس میں تذکرہ کرتے رہا کریں۔ وَذَکِّرْھُمْ بِاَیَّامِ اللّٰہِ (تم اللہ کے دنوں کا ان سے تذکرہ کرتے رہا کرو)۔

اسلامی مہینوں میں قربانیاں :-

آپ غور کیجئے کہ اسلامی سال کی ابتداء محرم سے ہوئی۔اس مہینہ میں قربانیوں کی یادیں تازہ ہوتی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو 10 محرم کے دن آگ میں ڈالا گیا۔ سیدنا حسینؓ کو 10 محرم کے دن سجدہ کی حالت میں شہید کیا گیا۔اسلامی سال کی انتہاء ذوالحجہ پر ہوئی تو اس میں بھی قربانیاں ہیں۔اس مہینہ میں سیدنا اسماعیلؑ نے قربانی دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے ایک جانور کو قربانی کے لئے قبول فرمایا۔ تو اسلامی سال کے شروع میں بھی قربانی اور آخر میں بھی قربانی۔ اگر اسلامی سال کا درمیان دیکھیں تو رجب کا مہینہ بنتا ہے۔ یہ مہینہ شرف انسانیت اور بلندیء انسانیت کے ظہور کا مہینہ ہے۔اس کی ستائیسویں رات کو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے پاس عرش سے اوپر بلایا۔ وہ مقام عطا کیا کہ جس پر فرشتے بھی حیران رہ گئے۔ پھر سال کا جو پہلا نصف حصہ ہے اس میں اللہ رب العزت نے ربیع الاول کے مہینے میں نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارک فرمائی۔ اور جو دوسرا نصف حصہ ہے اس کو اللہ رب العزت نے رمضان کے ذریعے سعادت عطا فرمائی۔ تو پورے اسلامی سال میں کچھ مہینے اور کچھ ایام پروردگار کی طرف سے خصوصی رحمتوں کے حامل ہیں۔

اعلان نبوت :-

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں نبوت کا اظہار فرمایا، انبیائے کرام تو آپ اس سے پہلے بھی تھے۔ فرمایا كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ (میں تو اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدمؑ ابھی گارے اور مٹی میں تھے) البتہ اظہار نبوت چالیس سال کی عمر میں ہوا۔ گویا 12 ربیع الاول کو محمدؐ بن

عبد اللہ کی رونمائی ہوئی پھر چالیس سال کے بعد محمد رسول اللہ کی جلوہ نمائی ہوئی۔

اعلان نبوت کے بعد عزیزوں کا حال :-

جیسے ہی آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا وہ لوگ جو آپ ﷺ کے مداح تھے، اور عزیز رشتہ دار تھے وہ سب کے سب آپ ﷺ کی مخالفت میں سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی ایذا رسانی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ سب کے سب جمع ہو کر آپس میں مشورے کرتے کہ ہم کس طرح آپ ﷺ کو تکلیفیں پہنچا سکتے ہیں۔

واقعہ ء شعب ابی طالب :-

ایک ایسا وقت آیا کہ قریش مکہ نے یہ سوچا کہ کیوں نہ ہم آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اقرباء کے ساتھ سول بائیکاٹ (Civil Boycot) کر دیں۔ نہ کوئی آدمی ان سے سامان کی خرید و فروخت کرے اور نہ ان کے ساتھ میل ملاپ رکھے تاکہ اس کی وجہ سے قریبی رشتہ دار بھی آپ ﷺ کو چھوڑ دیں۔ اعلان نبوت کے ساتویں سال کا واقعہ ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے عزیز و اقارب کو مکہ شہر سے باہر کی طرف دھکیل دیا۔ ایک پہاڑ کی گھاٹی تھی جسے شعب ابی طالب کہا جاتا تھا، آپ ﷺ اور دوسرے عزیز و اقارب سب وہیں آکر محصور ہو گئے۔ مکہ کے لوگ وہاں جاتے نہیں تھے اور ضروریات زندگی کے لئے وہاں کوئی سہولت نہیں تھی۔ بچے شدت پیاس کی وجہ سے بلکتے تھے، ماؤں کے سینوں میں دودھ نہ رہا جو ان بچوں کو پلایا جاتا۔ کفار تماشا بھی دیکھتے۔ ان لوگوں کے دل ایسے پتھر بن چکے تھے کہ وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے کہ ان معصوم بچوں پر رحم کھا کر ان کو ضروریات زندگی مہیا کر

دی جاتیں۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے ایک قریبی رشتہ دار کوئی کھانے کی چیز لے کر آپ ﷺ کو دینے کے لئے آئے تو قریش مکہ نے ان کو بھی راستہ میں روک لیا کہ تم یہ بھی نہیں دے سکتے۔ نہ تو خود یہ چیزیں دیتے تھے اور نہ کسی دوسرے کو یہ چیزیں دینے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ تین سال انتہائی مشکل سے کٹے۔

وحی الٰہی یا غیب سے آپ ﷺ کی مدد :-

اللہ رب العزت نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی کہ قریش مکہ نے بائیکاٹ کا جو معاہدہ لکھا تھا اس کو تو دیمک کھا گئی۔ اور اس میں فقط اللہ کا لفظ باقی بچا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہ بات اپنے چچا کو بتلائی اور انہوں نے قریش مکہ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ جاؤ جو بائیکاٹ کا معاہدہ تم نے بیت اللہ میں نصب کیا تھا دیکھو کہ دیمک نے اسے چاٹ لیا ہے اور صرف اللہ کا لفظ باقی بچا ہے۔ جب انہوں نے جا کر دیکھا تو واقعہ ایسا ہی تھا۔ چنانچہ اب ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ بائیکاٹ مزید نہیں رہے گا۔ ہم اپنی رشتہ داری کا پاس کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ ان سے میل ملاپ ضرور رکھیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے 10 نبوی میں آپ ﷺ کو اس پریشانی کے ماحول سے نکال لیا۔

حضور ﷺ کے چچا کا آپ کے ساتھ رویہ :-

ایک پریشانی ختم ہوئی تھی کہ اگلی پریشانیاں پھر شروع ہو گئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد قریش مکہ آئے اور آپ ﷺ کے چچا سے کہا کہ دیکھئے، آپ کے بھتیجے ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر یہ مال کے طلبگار ہیں تو ہم ان کو پورے مکہ کا مال اکٹھا کر کے دے دیں گے۔ اگر یہ کسی امارت کے طلبگار ہیں تو ہم آج کے بعد

ان کو اپنے قریش قبیلے کا امیر مقرر کر لیتے ہیں۔ اور اگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کو سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی کا رشتہ مل جائے تو پورے مکہ کی نوجوان لڑکیوں میں سے جس کی طرف اشارہ کریں ہم اسی کا رشتہ ان سے کرنے کو تیار ہیں۔ چچا نے آپ ﷺ کو بلایا اور قریش مکہ کی پوری بات آپ ﷺ کو سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چچا! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج بھی رکھ دیں تو جو پیغام میں پہنچانے کے لئے آیا ہوں میں اس کو پہنچانے سے باز نہیں آؤں گا۔ قریش مکہ اٹھ کر چلے گئے تاہم ان کے دلوں میں غیظ و غضب اور بڑھتا چلا گیا۔

عام الحزن :۔

یہی سال تھا کہ آپ ﷺ کے چچا فوت ہو گئے۔ وہ آپ ؐ کے لئے بڑا سہارا تھے۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ آپ ﷺ کی شریک حیات سیدہ خدیجۃ الکبریٰ ؓ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اس سال کو عام الحزن کا نام دیا کہ یہ میرے لئے غم کا سال تھا۔ جب آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ بھی وفات پا گئیں اور چچا بھی وفات پا گئے تو اب قریش مکہ کے لئے میدان کھلا تھا۔ انہوں نے رشتہ داریوں کے پاس کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو مزید ایذائیں پہنچانا شروع کر دیں۔

سفر طائف :۔

جب آپ ﷺ اپنے رشتہ داروں سے بہت زیادہ دلبرداشتہ ہو گئے تو دل میں بات آئی کہ ذرا باہر والوں کو بھی آزما لیا جائے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کے لئے ہدایت کا راستہ کھولے۔ چنانچہ آپ ﷺ طائف میں تشریف لے گئے۔ وہاں تین بھائی تھے، تینوں کی اپنی اپنی ایک برادری اور علاقہ تھا۔ آپ ﷺ ان تینوں سرداروں کے

پاس تشریف لے گئے۔ ایک نے بات سن کر کہا کہ اگر آپ ﷺ کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے تو پھر کعبہ کا پردہ عنقریب چاک ہونے والا ہے۔ دوسرے نے بات سن کر کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا تھا؟ کسی اور کو نبی بنا کر بھیج دیتا۔ تیسرا ذرا مناسب سا آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ اگر تو آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں تو پھر آپ ﷺ سے بات کرنا خلاف ادب ہے۔ اور اگر آپ ﷺ نبی نہیں ہیں تو میں آپ ﷺ سے بات کرنا پسند نہیں کرتا کہ میں جھوٹے آدمی سے بات کروں۔ نبی اکرم ﷺ وہاں سے دلبرداشتہ ہوئے۔ جب واپس آنے لگے تو انہوں نے کچھ شریر لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ لڑکوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے۔ نبی اکرم ﷺ کے نعلین (جوتے) مبارک خون سے بھر گئے۔ آپ ﷺ سارے دن کے تھکے ہوئے تھے۔ کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ آپ ﷺ وہاں سے واپس آنے لگے تو ایک جگہ رکے اور آپ ﷺ نے ایک تاریخی دعا فرمائی۔ آپ ﷺ نے کہا:

اے میرے اللہ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں جو آپ مجھے ان لوگوں کے حوالے کر رہے ہیں جو مجھ سے غصے ہوتے ہیں۔ اے اللہ! اگر آپ ناراض ہیں تو آپ کو اس وقت تک منانا ضروری ہے جب تک کہ آپ راضی نہ ہو جائیں اور اے اللہ! میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل مانگتا ہوں جس سے تمام ظلمتیں روشن ہو گئیں۔

چنانچہ بارگاہ الوہیت میں یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ فرشتے اسی وقت نیچے اترے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! اگر آپ ﷺ اشارہ فرما دیں تو اس بستی والوں کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیا جائے۔ ایسی آندھی چلے گی کہ ان کا نام نہیں رہے گا۔

آپ ﷺ چاہیں تو ان دو پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دیا جائے گا اور ان کو درمیان میں پیس دیا جائے گا۔ مگر اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا، یہ لوگ مجھے نہیں پہچانتے ممکن ہے کہ ان کی آنے والی اولادوں میں سے کچھ لوگ کلمہ پڑھنے والے بن جائیں۔ سبحان اللہ، اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما یہ مجھے نہیں پہچانتے ہیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ طائف سے واپس تشریف لے آئے تو آپ ﷺ کا غم اور زیادہ ہو گیا آپ ﷺ کے دل میں کڑھن اور بڑھ گئی اپنوں کا سلوک بھی دیکھ لیا، اور غیروں کا سلوک بھی دیکھ لیا۔ گویا دشمنوں نے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچانے میں وہ سب کچھ کر دیا جو وہ کر سکتے تھے۔

فرشتہ جبرائیلؑ کی آمد:

چنانچہ آپ اسی غمزدہ حالت میں ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے اور ایک عجیب دعا مانگی۔ فرمایا کہ کاش! میرا کوئی دوست ہوتا جو میرا ساتھ دیتا۔ کوئی میرا رفیق ہوتا جو غمخواری کرتا۔ کوئی میرا ایسا یار ہوتا جو میری دلداری کرتا۔ نبی اکرم ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اسی غم میں آپ ﷺ سو گئے۔ ابھی رات کا وقت تھا اور آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے کہ جبرائیلؑ نے حاضر ہو کر کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! اِنَّ اللّٰہَ یَقْرَئُکَ السَّلَامَ وَ یَدْعُکَ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی طرف سلام بھیجتے ہیں اور آپ ﷺ کو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے بہت خوش ہو کر حضرت جبرائیلؑ کو دیکھا اور سلام کا جواب دیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے دوسرا فقرہ پھر کہا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! اِنَّ رَبَّکَ یَشْتَاقُ اِلَیْکَ آپ ﷺ کا پروردگار آپ ﷺ سے ملاقات کے لئے بہت مشتاق ہے۔ آپ ﷺ تشریف لے

چلیئے۔ چنانچہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئے۔ وہاں سے آپ ﷺ کا شق صدر ہوا۔ آپ ﷺ کے دل مبارک کو کھول کر اللہ رب العزت کی خصوصی رحمتوں سے بھر دیا گیا۔ جیسے ہم لوگوں کو نماز سے پہلے پروردگار نے وضو کرنے کا حکم عطا فرمایا ہے۔ اس فخر انسانیت کی یہ نماز تھی کہ جس کے لئے اللہ رب العزت نے ان کے دل کا وضو کروایا۔ ان کے دل کو دھویا گیا۔ حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ نے وہاں نماز بھی ادا فرمائی۔ پھر آپ ﷺ کو وہاں سے لے کر آگے پہنچایا گیا۔

آغاز سفر :-

آپ ﷺ کے لئے جو سواری لائی گئی جبرائیلؑ امین نے بتایا اے اللہ کے نبی ﷺ! اس کا نام براق ہے۔ براق برق سے بنا جو برق رفتاری سے چلنے والا ہو۔ ایسی سواری جو بجلی کی طرح تیزی سے چلے۔ تو براق آپ ﷺ کے لئے لایا گیا۔ آپ ﷺ براق پر سوار ہوئے اور بیت الحرام سے بیت المقدس کی طرف چلے۔ جبرائیلؑ نے آپ ﷺ کو بتایا، اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ رحمت و برکت کی وادی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے وہاں بھی نماز ادا فرمائی۔ پھر جب آپ ﷺ تشریف لے گئے تو راستے میں کوہ طور پر بھی آپ ﷺ کا تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنا ہوا حتیٰ کہ آپ ﷺ مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔

مسجد میں انبیائے کرام کی امامت :

آپ ﷺ دیکھتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ میں تمام کے تمام انبیاء کرامؑ موجود ہیں، صف بندھی ہوئی ہے۔ جبرائیلؑ امین عرض کرتے ہیں اے اللہ کے محبوب ﷺ! مقتدی تو صفوں میں کھڑے ہو چکے ہیں۔ امام کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ تشریف

لے آئے ہیں اب آپ ﷺ امامت فرمائیے۔ تاکہ سب کے سب انبیاء آپ ﷺ کی اقتداء کر سکیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے وہاں پر نماز پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ نے گویا آپ ﷺ کو امام الانبیاء بنادیا۔

سفرِ معراج :-

جب آپ ﷺ نے نماز ادا کر لی تو اس کے بعد آپ ﷺ کو ایک دوسری سواری پیش کی گئی۔ احادیث میں اس کا نام رفرف آتا ہے۔ رفرف کا اگر اردو میں ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب ایک اونچائی کی طرف لے جانیوالی سیڑھی بنے گا۔ اور انگلش میں ترجمہ کیا جائے تو اس کا ترجمہ Elevator بنے گا۔ یہ دوسری سواری Elevator کے مانند تھی جس میں اگر انسان سوار ہو جائے تو وہ انسان کو بلندیوں کی طرف لے جاتی ہے۔ براق آپ ﷺ کو لے کر مکہ سے مسجد اقصیٰ تک پہنچاتا ہے اور رفرف آپ ﷺ کو وہاں سے لے کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ اس سفر کے پہلے حصے کو عربی زبان میں اسریٰ کہا گیا ہے۔ اسریٰ کا لفظی مطلب رات کو سفر کرنا ہے سفر کے دوسرے حصے کو معراج کہا گیا ہے۔ معراج کا لفظی معنی اونچائی اور بلندی کی طرف جانا ہے۔ معراج عروج سے ہے گویا آپ ﷺ کو وہاں سے عروج نصیب ہوا۔ جبرائیلؑ امین ساتھ تھے۔ آپ ﷺ اوپر گئے۔ حتیٰ کہ پہلے آسمان سے بھی اوپر، دوسرے آسمان سے بھی اوپر، تیسرے آسمان سے بھی اوپر، چوتھے آسمان سے بھی اوپر ... ساتویں آسمان سے بھی اوپر آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ عرش سے اوپر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کو راستے میں مختلف عجائبات دکھائے گئے۔

ایک وہ جگہ بھی آئی جہاں لوح و قلم تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کو بھی اپنی

آنکھوں سے دیکھا۔ فرشتوں کو بھی دیکھا جو بیٹھے ہوئے اعمال کے اجر وہاں پر لکھ رہے تھے۔ ان کے قلموں کی آواز کو بھی نبی اکرم ﷺ نے سنا۔ پھر آپ ﷺ کو وہاں پر جنت اور دوزخ کے مناظر دکھائے گئے۔

جنت کے مناظر :-

روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنت کے مناظر کو دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جنہوں نے کھیتی کی۔ ان کی کھیتی اسی وقت پک کر تیار ہو گئی۔ وہ اس کو کاٹتے ہیں۔ دوبارہ ان کی کھیتی پھر بڑی ہو جاتی ہے۔ تو آپ ﷺ نے جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ ! یہ نیک لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے نیک عمل کیے وہ اپنے اعمال کا بدلہ پاتے ہیں۔ زندگی میں اس کی برکتیں ان کو بار بار ملتی چلی جاتی ہیں۔ اسی حال میں آپ ﷺ نے سنا کہ کسی کے قدموں کی آواز آرہی ہے تو اللہ کے محبوب ﷺ بڑے حیران ہوئے، پوچھا جبرائیلؑ ! یہ کس کے چلنے کی آواز ہے۔ عرض کیا کہ اے اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ ! یہ آپ ﷺ کے غلام بلالؓ کے زمین پر چلنے کی آواز ہے، مگر قدموں کی چاپ یہاں سنائی جارہی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ قدموں کی چاپ یہاں کیوں سنائی جارہی ہے ؟ عرض کیا، اللہ کے نبی ﷺ ! وہ آپ ﷺ کا غلام اللہ کے ہاں وہ مقام رکھتا ہے، اللہ کے ہاں اتنا پسندیدہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنی قبولیت کا درجہ رکھتا ہے کہ فرش پر اس کے قدم پڑتے ہیں عرش پر اس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو اپنے غلاموں کے بھی مقامات دکھا دیئے۔

جہنم کے مناظر :-

پھر آپ ﷺ کو جہنم کے کچھ مناظر دکھائے گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ

کچھ لوگ ایسے تھے کہ جن کے ہونٹ کاٹے جا رہے تھے۔ ایک فرشتہ قینچی لے کر کھڑا ہے۔ لوگوں کے ہونٹ اونٹوں کی مانند ہیں جو لمبے ہیں اور لٹک رہے ہیں۔ اور ان ہونٹوں کو فرشتے کاٹتے چلے جا رہے ہیں۔ پوچھا، جبرائیلؑ! یہ کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ وہ لوگ ہیں جو فتنہ پرداز تھے اور دنیا میں ایسی ایسی باتیں کیا کرتے تھے جس سے لوگوں میں فتنے پھیلتے تھے۔ اِدھر کی سنی اُدھر لگا دی کوئی بات کانوں میں پڑی، سنی سنائی پر یقین کر کے دوسروں سے بدگمانی شروع کر دی۔ کچھ اپنی طرف سے زیب داستاں کے لئے ملا لیا، یہ فتنہ پرداز لوگ تھے۔ اِن کے ہونٹوں کو یہ فرشتے قینچی سے کتر رہے ہیں۔

تفرقہ بازوں کا انجام :-

پھر آپ ﷺ نے دیکھا کہ فرشتے ایک آدمی کا گلا دبا رہے ہیں۔ جب فرشتہ اُس کا گلا دباتا ہے تو اُسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ پھر فرشتہ چھوڑ دیتا ہے۔ پھر گلا دباتا ہے، پھر چھوڑ دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جبرائیلؑ! یہ کیا معاملہ ہے؟ جواب دیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ آپ ﷺ کی اُمت کے وہ واعظ مقرر اور خطیب ہیں جو ایسی باتیں کرتے تھے کہ اُمت کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ آج اِن کے گلوں کو دبایا جا رہا ہے کہ تمہیں اللہ نے یہ گویائی اس لئے تو نہیں دی تھی کہ اُمت کو اکٹھا کرنے کی بجائے اُمت کو پارہ پارہ کر دیتے۔ اِن کے ساتھ اللہ رب العزت نے یہ معاملہ فرما دیا۔

شراب نوشی کا انجام :-

پھر نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کا دھڑ تو انسانوں کی مانند ہے مگر اُن کا چہرہ سُور کی مانند۔ حیران ہو کر پوچھنے لگے، جبرائیل امینؑ! یہ کیا معاملہ ہے؟

عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ جھوٹی باتوں کی گواہی دینے والے لوگ تھے۔ چنانچہ آج دنیا میں دیکھئے کہ انسان اپنے دوست کی دوستی کی خاطر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے۔ حالانکہ وہ غلط بیانی ہوتی ہے۔ وہ جھوٹی گواہی ہوتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جھوٹی گواہی دینے والے کو سُور کی شکل میں تبدیل فرمادیں گے۔ تب پتہ چلے گا کہ ہم نے جھوٹی گواہیاں کیسے دی تھیں۔

خاوند کے ساتھ بدسلوکی کرنے والیوں کی سزا:-

نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ کچھ عورتیں کتوں کی مانند چیخیں اور آوازیں نکالتی ہیں، نوحہ کرتی ہیں، بکھرے بال ہیں برا حال ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا، جبرائیل امین! یہ کون ہیں؟ فرمایا، اللہ کے محبوب ﷺ! یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں اپنے خاوندوں کے ساتھ زبان درازی کرتی تھیں۔ جو خاوندوں کو تلخ جواب دیتی تھیں۔ ذرا سی بات پر گویا اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی تھیں۔ یہ خاوند کی اطاعت کرنے کی بجائے اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بجائے اُن کو جلی کٹی سناتی تھیں۔ آج اللہ تعالیٰ نے یہ سزا دی کہ یہ کتوں کی مانند آوازیں نکال رہی ہیں۔

مغروری کا انجام:-

پھر نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے قد چھوٹے ہیں اور اُن کے اوپر پہاڑ رکھا جاتا ہے۔ اور وہ پہاڑ کے نیچے کچلے جاتے ہیں۔ پھر اُن کے قد ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ پھر پہاڑ اُن کے اوپر گرایا جاتا ہے۔ پوچھا جبرائیلؑ! یہ کیا ہے؟ جواب دیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ آپ کی اُمت کے متکبرین ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے۔ تکبر کرتے تھے کہ جی ہم جیسا کون ہے۔ ہم یہ کر دیں گے اور وہ کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک اُن کو اسی طرح ذلیل و رسوا کریں

گئے۔

بددیانتی کا انجام :-

پھر آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے سر پر بہت بڑے گٹھڑ، بڑے بڑے بوجھ لدے ہوئے ہیں جبکہ وہ بوجھ اُن سے اٹھایا نہیں جاتا۔ وہ بوجھ کی وجہ سے گرتے ہیں۔ فرشتے پھر بوجھ اٹھا کر اُن کے سر پر رکھ دیتے ہیں ۔ پوچھا، جبرائیل امین! یہ کیا ہے ؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ ! یہ آپ کی اُمت کے وہ لوگ ہیں جو امانت میں خیانت کرنے والے تھے۔ لوگ ان کو امانتیں دیتے تھے اور وہ امانت کا صحیح استعمال کرنے کی بجائے ان میں خیانت کر لیتے تھے۔ آج ان کے سروں پر اتنے اتنے بھاری گٹھڑ رکھے ہوئے ہیں۔

بے نمازی کا انجام :-

پھر آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے ماتھے پر پتھر مارے جاتے ہیں اور ان کا سر کچل دیا جاتا ہے۔ وہ تکلیف پانے کے بعد ٹھیک ہو جاتے ہے تو فرشتہ پھر دوبارہ پتھر اٹھا کر ان کے ماتھے پر مارتا ہے پھر سر کچل جاتا ہے۔ پوچھا جبرائیلؑ! یہ کیا معاملہ ہے ؟ عرض کیا اے اللہ کے محبوب ﷺ ! یہ آپ ﷺ کی اُمت کے بے نمازی ہیں۔ جو اپنی پیشانیوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں ٹیکا کرتے تھے۔ جو اپنی پیشانیوں کو نہیں جھکایا کرتے تھے۔ آج فرشتے ان کی کھوپڑی کو چورا چورا کر رہے ہیں۔

زناکاری کا انجام :-

نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں کہ جن کے سر کے اوپر شرمگاہیں ہیں

جن سے پیپ نکل رہی ہے۔ وہ اُس کو پی رہے ہیں۔ پوچھا، اے جبرائیلؑ! یہ کون ہیں؟ عرض کیا، اے میرے محبوب ﷺ! یہ آپ ﷺ کی اُمت کے زانی ہیں۔ وہ مرد جنھوں نے زنا کیا اور وہ عورتیں جو زنا کروانے والی تھیں ان کے سر پر آج شرمگاہیں ہیں جن میں سے پیپ نکل رہی ہے۔ اور یہ پی رہے ہیں۔

غیبت کرنے والوں کا انجام :-

کچھ لوگ تھے جو اپنا گوشت کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پوچھا جبرائیل امینؑ! یہ کون ہیں! عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! یہ آپ ﷺ کی اُمت کے غیبت کرنے والے لوگ ہیں۔ آج انہی کا گوشت کاٹ کر ان کو کھلایا جا رہا ہے۔ یہ دنیا میں اپنے بھائیوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔

آگے کا سفر :-

آپ ﷺ نے جنت کی رحمتیں بھی دیکھیں، جہنم کے مناظر بھی دیکھے۔ پھر نبی اکرم ﷺ کو اس سے بھی بلندی عطا فرمائی گئی حتیٰ کہ عرش کے اوپر جانے کے لئے ایک ایسی جگہ آئی جہاں حضرت جبرائیلؑ رک گئے۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! یہاں تک میرا ساتھ تھا۔ اس سے آگے اللہ کی جلالت شان کا یہ حال ہے کہ میں اگر ایک قدم بھی آگے بڑھاؤں تو میرے پر جل جائیں گے۔ گویا محبوب ﷺ کو ملاقات کے لئے جب لایا گیا تو لانے والے نے دروازے تک تو پہنچا دیا اور کہا کہ آگے آپ ﷺ کو اپنے محبوب سے ملنے کے لئے اختیار ہے۔ آپ ﷺ اکیلے جائیں کیونکہ محبّ اپنے محبوب سے ملنے کے لئے تخلیہ چاہتے ہیں۔

رویت جبرائیلؑ ثانیہ :-

مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دو دفعہ جبرائیلؑ کو ان کی اصلی شکل

میں دیکھا۔ ایک مرتبہ غار حرا میں آغاز نبوت کے وقت اور دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر دیکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰیۙ (البتہ تحقیق آپ نے جبرائیلؑ کو دوسری دفعہ نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی (سدرۃ المنتہیٰ کے پاس) عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰیؕ (اس کے پاس ہی جنت ماویٰ ہے)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر جبرائیلؑ کو اصلی شکل میں دیکھا اور اس کے چھ سو پر تھے۔ مجھے اس کو پہچاننے میں کسی قسم کی کا تردد نہیں ہوا۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق فرمایا کہ یہ جنت الماویٰ کے پاس ہے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے۔ اس کے تمام طبقات درجہ بدرجہ اوپر کی طرف جاتے ہیں اور آخر میں جنت الفردوس ہے جس پر عرش الٰہی کا سایہ پڑتا ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ کی کیفیت :-

جب نبی اکرم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو اس وقت سدرہ پر ایک خاص قسم کے انوار و تجلیات وارد ہو رہے تھے اور درخت کے پتوں پر سنہری پروانے جگمگا رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کی تعریف بیان کر نہیں سکتا جو اس وقت سدرہ پر طاری تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰیۙ (جب ڈھانپ لیا سدرہ کو اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا) یہ مشاہدہ نبی اکرم ﷺ پر بہت واضح تھا مگر آپ نے اِدھر اُدھر غیر ضروری طور پر نہ دیکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (نہ تو نگاہ اِدھر اُدھر ہوئی اور نہ ہی حد سے بڑھی) آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ اس کیفیت کا مشاہدہ کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی (تحقیق آپ نے

اپنے پرودگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)۔

سدرہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس بیری کی جڑ چھٹے آسمان پر ہے اور اس کی شاخیں ساتویں آسمان سے آگے نکلی ہوئی ہیں۔ اس درخت کے ہر پتے پر فرشتے تسبیح کرتے ہیں۔ اس درخت کو سدرۃ المنتہی اس لئے کہتے ہیں کہ اسے نیچے اور اوپر کے درمیان ایک سنگم کی حیثیت حاصل ہے۔ اوپر سے نازل ہونے والا حکم یہاں رہ جاتا ہے اور نیچے کسی دوسری کیفیت کے ساتھ وارد ہوتا ہے۔ اسی طرح نیچے سے اوپر جو کچھ جاتا ہے وہ یہاں آکر رک جاتا ہے۔ گویا یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ درخت عالم خلق اور عالم امر کے درمیان ایک سنگم ہے۔ اس درخت کو بنی نوع انسانی کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اسی واسطے حدیث پاک میں آیا ہے کہ میت کو غسل دینے کے لئے پانی میں بیری کے پتے ڈال لیا کرو۔

چار نہریں :-

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ معراج کے موقع پر میں نے اس درخت کی جڑ میں چار نہریں دیکھیں۔ میں نے جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کیسی نہریں ہیں تو اس نے بتایا کہ دو نہریں کوثر اور سلسبیل ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ قیامت کے دن اسی کوثر کا پانی پرنالوں کے ذریعے حوض کوثر میں ڈالا جائے گا جو نبی اکرم ﷺ اپنے اُمتیوں کو پلائیں گے۔ باقی دو نہریں دریائے نیل اور فرات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ جس طرح سمندر کی مدوجزر کا تعلق چاند سے ہے۔

رویت الٰہی :-

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى سے بعض مفسرین نے رویت جبرائیلؑ مراد لی ہے مگر بعض نے رویت باری تعالیٰ مراد لی ہے۔ لَقَدْ رَاٰى

مُحَمَّدٌ رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ (حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا) ترمذی شریف کی روایت ہے کہ ایک دفعہ آنکھ سے دیکھا ایک دفعہ دل سے۔ طبرانی اور مسلم شریف کی روایت میں بھی ایسے ہی الفاظ آتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کی روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے البتہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ اس کا سختی سے انکار کرتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی رویت باری تعالیٰ کے خلاف ہیں۔ حضرت سروق نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ رویت کا انکار کس بنا پر کرتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں پا سکتیں البتہ وہ آنکھوں کو پا لیتا ہے)

غور کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کی اس دلیل کو دعوے کے ساتھ پوری مطابقت نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں ادراک کی نفی ہے نہ کہ رویت کی۔ ادراک کا مطلب ہے کسی چیز کا مکمل احاطہ کر لینا اور یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی ذات کا یا صفات کا ممکن نہیں۔ وہ تو غیر محدود ذات ہے لہٰذا اس کا مکمل احاطہ نہ دنیا میں ہو سکتا ہے نہ آخرت میں۔ البتہ رویت کا مسئلہ دوسرا ہے جس کے شواہد موجود ہیں۔ جہاں تک رویت آخرت کا معاملہ ہے تو سیدہ عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ جنت میں تمام اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا مگر بے جہت بے کیف بے شبہ بے مثال ہو گا۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اِنَّكُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتّٰى تَمُوْتُوْا (تم مرنے سے پہلے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھ سکتے) یعنی یہ دیدار تب نصیب ہو گا جب مر کر اگلے جہان پہنچ جائیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے رویت کی درخواست کی تھی تو جواب آیا تھا لَنْ تَرَانِيْ (تم مجھے دیکھنے کی

طاقت نہیں رکھتے) پھر جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰؑ بیہوش ہو کر گر گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس عالم ناسوتی میں تو رویت الٰہی ممکن نہیں۔ تاہم نبی اکرم ﷺ کو جو رویت نصیب ہوئی تھی وہ دوسرے جہاں میں حظیرۃ القدس میں ہوئی تھی لہٰذا اس رویت میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سر کی آنکھوں سے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ امام احمد بن حنبلؒ بھی اسی رویت کے قائل ہیں۔ کسی نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ تو اس رویت کا انکار کرتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان کی بات کا جواب میں حضور اکرم ﷺ کی بات سے دیتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ سے یہ قول صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ رَاَیْتُ رَبِّی عَزَّوَجَلَّ (میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا) یہ قول رسول ﷺ ہے اور قول عائشہؓ سے زیادہ قوی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم کو اس بات پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلت حضرت ابراہیمؑ کیلئے، کلام حضرت موسیٰؑ کے لئے اور رویت حضرت محمد ﷺ کے لئے رکھی۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا رَاَیْتُ نُوْرًا (میں نے نور الٰہی کو دیکھا) دوسری روایت میں ہے فَسَجَدْتُ لَهٗ (میں نے سجدہ کیا)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ دو مرتبہ رویت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو ایک دفعہ آنکھ سے دیکھا اور دوسری مرتبہ دل سے دیکھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے جب نبی اکرم ﷺ کا قلب مبارک شق کیا تو کہا قَلْبٌ وَکِیْعٌ فِیْهِ اُذْنَانِ سَمِیْعَتَانِ وَ عَیْنَانِ بَصِیْرَتَانِ (یہ بڑا مضبوط دل ہے اس میں دو سننے والے کان اور دیکھنے والی دو آنکھیں ہے) گویا دل کی دو آنکھیں بھی

ہیں جن سے نبی اکرم ﷺ کو رویت الٰہی نصیب ہوئی۔ بہر حال رویت ایک دفعہ آنکھ سے ہوئی دوسری مرتبہ قلب سے ہوئی یہ دونوں باتیں درست ہیں اور دونوں کا منشا ایک ہے۔

قرب الٰہی :۔

چنانچہ اللہ کے محبوب ﷺ کو اس سے بھی اوپر بلندی عطا کی گئی۔ کتنی عطا کی گئی؟ اس کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا۔ جب آپ ﷺ اپنے پرودگار کے سامنے اس حال میں پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنے پرودگار کی حمد بیان کی اور عجیب انداز سے اپنے پرودگار کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے تین الفاظ کہے۔ آپ ﷺ نے پرورگار کے سامنے عرض کیا **اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ** میری سب کی سب زبانی تعریفیں، میری قولی عبادتیں، میری زبان سے نکلی ہوئی حمد پروردگار کے لئے۔ **وَالصَّلَوٰتُ** اور جو میں نے بدنی عبادتیں کی ہیں وہ ساری کی ساری میرے پروردگار کے لئے ہیں۔ **وَالطَّیِّبَاتُ** اور جو میں نے مال خرچ کیا ہے وہ سب کی سب مالی عبادتیں بھی اے پروردگار! تیرے لئے ہیں۔ گویا آپ نے تین باتیں کہیں۔ اے اللہ! میری قولی عبادتیں بھی تیرے لئے، میری بدنی عبادتیں بھی تیرے لئے اور میری مالی عبادتیں بھی تیرے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی تین باتیں آپ ﷺ نے کہی تھیں ان کے بدلے پروردگار نے بھی تین باتیں کہیں۔ فرمایا میرے محبوب ﷺ! **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ** آپ کے اوپر سلامتی ہو۔ اور اللہ کی رحمتیں ہوں اور اللہ کی برکتیں ہوں۔ **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ** آپ ﷺ پر سلامتی ہو **وَرَحْمَتُ اللّٰہِ** اور اللہ کی رحمتیں ہو **وَبَرَکَاتُہٗ** اور اللہ کی برکتیں ہوں۔ جب نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہے، سلامتی

کی بات ہو رہی ہے، برکت ورحمت کی بات ہو رہی ہے تو نبی اکرم ﷺ کو امت یاد آئی آپ ﷺ نے فوراً فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا ہم پر بھی سلامتی ہو وَ عَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْن اور میری امت کے جو نیک لوگ ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی ان پر بھی سلامتی ہو۔ قربان جائیں اس نبیءِ رحمت ﷺ پر جس کو پروردگار کا قرب ملتا ہے تو اس حال میں بھی گنہگار امت کو نہیں بھولے۔ اس رحمت وبرکت میں امت کو بھی شامل فرمالیا۔ جب فرشتوں نے دیکھا تو حیران رہ گئے اور ان کی زبان سے فوراً یہ الفاظ نکلے اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُه چنانچہ جتنی گفتگو ان قرب کے لمحات میں ہوئی تھی رب کریم نے اس کو تحفہ بنا کر اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمایا۔

نماز کا تحفہ :-

جب دوست دوست سے ملاقات کے لئے آتا ہے تو بعد میں تحفہ لے کر واپس جایا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے محبوب ﷺ! آپ اس تمام گفتگو کو تحفہ سمجھئے اور اپنی امت کو کہئے کہ دن میں **50** نمازیں پڑھے اور اس کے ذریعے گویا مجھ سے ہم کلام ہوا کرے۔ آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو راستے میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ پوچھا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! کیا معاملہ پیش آیا؟ فرمایا، مجھے نمازوں کا حکم عطا کیا گیا۔ عرض کیا، میری امت کو بھی اسی طرح کا حکم تھا مگر وہ امت تو تھوڑا بھی نہ کر سکی، آپ ﷺ ایک دفعہ پھر تشریف لے جائیے۔ چنانچہ آپ ﷺ پھر تشریف لے گئے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری دی اللہ تعالیٰ نے **45** کر دیں۔ پھر دوبارہ معاملہ ہوا **40** کر دیں۔ پانچ نمازیں کم ہوتی گئیں۔ نو مرتبہ آپ ﷺ کو بار بار عروج وبلندی نصیب ہوئی۔ حکمت کیا تھی؟ ظاہر میں نظر آتا ہے

کہ نمازیں معاف ہو رہی ہیں مگر حقیقت یہ تھی کہ پروردگار دکھانا چاہتے تھے کہ میرے بندو! کل کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ عروج ایک ہی دفعہ نصیب ہوا، اب دوبارہ ان کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ میرے وہ بندے ہیں جو ایک ہی دفعہ میرے پاس نہیں آئے۔ ان کے لئے میرے در کھلے ہیں۔ محبوب تو جتنی دفعہ چاہے میرے پاس آسکتا ہے۔ میں نے رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نویں دفعہ کے بعد فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں پھر جاؤں۔ اب تو فقط 5 نمازیں ہیں۔ چنانچہ 5 نمازوں کا تحفہ لے کر اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ واپس تشریف لائے۔

نظام کائنات کا موقوف ہونا :-

جب نبی اکرم ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے گھر میں پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ جس پانی سے وضو کیا تھا وہ اسی طرح بہہ رہا ہے۔ بستر کی گرمی بھی مجھے اسی طرح محسوس ہوئی، درحقیقت وہاں جتنا وقت لگا تھا پروردگار عالم نے نظام کائنات کو اسی جگہ روک دیا تھا۔ جب آپ ﷺ تشریف لے گئے تھے آپ کائنات کی جان تھے کائنات کا ارمان تھے۔ جب آپ ہی تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے پورے نظام کو وہیں روک دیا۔ جب ملاقات کر کے واپس تشریف لائے، تو پھر نظام وہیں سے آگے چلا۔

جدید سائنس اسلام کی دہلیز پر :-

ایک وقت تھا کہ جب دنیا تخت سلیمانی کے اڑنے کو نہیں سمجھ سکتی تھی۔ آج ہوائی جہاز کی اڑان نے تخت سلیمانی کے اڑنے کو اچھی طرح سمجھا دیا۔ ایک وقت تھا کہ جب ابابیلوں کی کنکریاں جو ہاتھیوں کو بھوسا بنا کر رکھ دینے والی تھیں، وہ انسان کو

حیران کر دیتی تھیں کہ کنکریوں میں کہاں اتنی طاقت کہ ہاتھی کو مار سکیں آج رائفل کی گولی نے بات صاف کر دی کہ کس طرح رائفل کی گولی سے اتنا بڑا ہاتھی مر جاتا ہے۔ پروردگار عالم کی طرف سے ابابیل جب کنکریاں پھینکتے تھے وہ بھی گولی بن کر پڑتی تھیں۔ تو سائنس وقت کے ساتھ ساتھ ان باتوں کی نقاب کشائی کرتی جا رہی ہے۔ ایک وقت تھا کہ یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں آج سمجھنی نسبتاً زیادہ آسان ہیں۔ آج لفٹ میں سفر کرنے والے کے لئے رفرف کا سمجھنا زیادہ آسان ہے۔ آج براق کے لفظ کو برق کی وجہ سے سمجھنا زیادہ آسان ہے جو ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ اور چھیاسی ہزار میل کا سفر کر جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے اسی طرح اپنے محبوب ﷺ کو تھوڑی سی دیر میں یہ تمام شرف عطا فرما دیا۔ بظاہر کوئی اسے سمجھے یا نہ سمجھے۔

میرے دوستو! ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ چونکہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا، لہٰذا ہمارا پکا ایمان ہے اللہ کے محبوب ﷺ تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے سب مناظر دیکھے اور دیکھ کر تشریف لے آئے۔

ایک دلچسپ حکایت :-

اس پر مجھے پنجابی کی ایک حکایت یاد آگئی۔ ہمارے ہاں پنجاب کے علاقے میں جب صبح صبح لوگ اٹھتے ہیں تو اپنے کھیتوں میں ہل چلانے کے لئے نکل جاتے ہیں۔ ہل چلانے والے کو پنجابی میں ''ہالی'' کہتے ہیں۔ وہ ہالی جب ہل چلاتے ہیں تو ان کو کافی دیر گزر جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جب سورج دو چار نیزے اوپر چلا جاتا ہے تو اس وقت ان کی بیویاں گھروں میں لسی بلو کر مکھن نکال لیتی ہیں۔ کچھ روٹیاں پکا لیتی ہیں، پھر روٹی اور مکھن وغیرہ کا ناشتہ لے کر کھیتوں میں ان کو پہنچاتی ہیں۔ تو وہ خاوند جو ہل چلا رہا ہوتا ہے اسے بھوک بھی لگی ہوتی، کئی گھنٹے ہل چلا چلا کر وہ تھکا ہوا بھی ہوتا ہے۔ تو وہ بیوی

کا منتظر ہوتا ہے۔ گویا اپنے محبوب کا منتظر ہوتا ہے، اس کی راہ تک رہا ہوتا ہے۔ جیسے ہی بیوی اس کے سامنے ناشتہ لے کر جاتی ہے وہ وہیں ہل کو روک دیتا ہے اور اپنی بیوی کے پاس بیٹھ کر ناشتہ کرتا ہے۔ ایک شاعر نے شاعرانہ انداز میں اور عاشقانہ مزاج میں اس پورے منظر کو یوں بیان کیا ہے۔ جب بیوی سامنے جاتی ہے اور اس نے اپنی ناک میں جو لونگ پہنا ہوتا ہے اس کا لشکارہ پڑتا ہے تو خاوند ہل چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس بات کو اس نے یوں کہا،

پیا لونگ دا جدوں لشکارا
تے ہالیاں نے ہل روک لئے

لونگ کا جب لشکارا پڑتا ہے تو ہالی اپنے ہل روک لیتے ہیں۔ یہی معاملہ تھا محبوب ﷺ کا۔ جب وہاں پہنچے تو پروردگار عالم نے ساری کائنات کے نظام کو وہیں روک کے رکھ دیا کہ محبوب میرے پاس ہے۔ میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ کتنی گفتگو کروں گا؟ فرمایا، فَاَوْحٰیٓ اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی پھر پروردگار نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی اور جو چاہا اس نے وحی نازل فرمائی۔ یہ محبوب اور محب کے درمیان راز ہے۔ کوئی محبوب اپنے محب کی ملاقات کی باتیں دوسرے کو نہیں بتایا کرتا۔ چنانچہ قرآن پاک نے بھی اسی طرح اجمال کے ساتھ اس کا تذکرہ کر دیا۔ فَاَوْحٰیٓ اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی تحقیق انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا۔

قریش مکہ کی حیرانی :-

جب آپ ﷺ معراج سے واپس تشریف لائے تو اگلے دن آپ ﷺ نے قریش مکہ کو یہ سارا واقعہ سنایا وہ بڑے حیران ہوئے۔ سوچنے لگے کہ اتنی تھوڑی سی

دیر میں کوئی مسجد اقصیٰ تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اور واپس آسکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اس بات کو خلاف حقیقت سمجھا۔ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے ہیں، قریش مکہ پاس ہیں۔ آپ ﷺ نے معراج کے متعلق ارشاد فرمایا تو قریش مکہ کہنے لگے اچھا اگر آپ مسجد اقصیٰ سے ہو کر آئے ہیں تو بتائیں کہ اس کی چھت کی کڑیاں کیسی تھیں؟ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں مجھے تو چھت کی کڑیوں کے متعلق پتہ ہی نہ تھا۔ میری طبیعت میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی کہ ان کفار نے ایسا سوال کیا ہے کہ مجھے اس وقت اس کا جواب معلوم ہی نہیں۔ مگر میرے پروردگار نے میری راہنمائی فرمائی اور درمیان کے سارے کے سارے پردے ہٹا دیئے۔ میں مسجد اقصیٰ کی چھت کو دیکھ رہا تھا۔ جو کچھ وہ کفار پوچھتے جاتے میں ان کو بتاتا جاتا تھا۔ جب میں نے ساری باتیں ان کو بتا دیں تو ان کے مقدر میں ہدایت تو پھر بھی نہیں تھی۔ کہنے لگے یہ بڑا جادوگر ہے۔ یہ اپنے جادو کے ذریعے یہ باتیں بتا دیتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی گواہی :-

ابو جہل وہاں سے اٹھ کر گھر کی طرف چل پڑا تو آگے حضرت ابو بکرؓ آرہے تھے۔ کہتا ہے ابو بکر! تم بڑے عقلمند آدمی ہو، سمجھدار ہو، دانا ہو۔ مجھے ایک بات تو بتا دو، اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ میں مکہ سے چلا اور رات ہی رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچا پھر واپس آگیا، تو کیا یہ ممکن ہے؟ آپؓ نے فرمایا ممکن تو نہیں ہے، کہنے لگا کہ آپؓ ہی کے تو دوست کہتے ہیں کہ میں رات میں یہ سفر کر کے آیا ہوں۔ ابو بکر صدیقؓ تڑپ کر بولتے ہیں کہ اگر میرے محبوب ﷺ فرماتے ہیں تو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچ کہتے ہیں۔ یقیناً ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو ابو بکرؓ کی یہ گواہی اتنی پسند آئی کہ ابو بکر کے نام کے ساتھ صدیق کا لقب لگا دیا۔ قیامت تک کے لئے ابو بکر کا نام

لیا جائے گا تو ان کو صدیق کہہ کر پکارا جائے گا کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے ایک دعویٰ فرمایا تھا اور ابو بکرؓ نے بن دیکھے اس کی گواہی دی تھی۔ معراج کا واقعہ تفاسیر کی کتب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئی حکمتیں تھیں۔

واقعۂ معراج کی چند حکمتیں

چند حکمتیں جو اللہ رب العزت نے ہمیں معراج کے واقعہ میں دکھائی تھیں وہ بھی سنتے چلیں۔

1 محبوب ﷺ سے بلا واسطہ گفتگو :-

ان میں سے پہلی حکمت یہ ہے کہ اللہ رب العزت پہلے اپنے محبوب ﷺ سے جبرائیل امینؑ کے ذریعے ہمکلامی فرمایا کرتے تھے۔ گویا واسطہ تھا، جبرائیل امینؑ کا۔ محب اپنے محبوب کی طرف پیغام بھیجتا تھا کسی پیامبر کے ہاتھوں۔ پھر ایک وقت ہوتا ہے کہ جب دل چاہتا ہے کہ واسطے کے بغیر بھی ہمکلامی ہو۔ واسطے کے بغیر بھی ملاقات ہو۔ چنانچہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب ﷺ کو عرش پر بلا لیا۔ گویا فرمایا کہ اے میرے محبوب ﷺ! دنیا میں تو جبرائیلؑ پیغام دینے جاتے تھے، آپ عرش پر تشریف لائیے تاکہ میں بغیر واسطے کے آپ سے ہمکلامی کرلوں۔ پس واقعہ معراج میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ پروردگار نے اپنے محبوب ﷺ سے بغیر واسطے کے ہمکلامی فرمائی اور ان کو اتنا قرب عطا فرمادیا۔

2 ملائکہ کو اپنے محبوب ﷺ کا دیدار کروانا :-

دوسری حکمت اس میں یہ تھی کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو

رحمت للعالمین بنایا تھا۔ اور جو رحمت للعالمین ہو وہ صرف عالم دنیا کے لئے رحمت نہیں ہوتا۔ وہ تو تمام عالموں کے لئے رحمت ہوتا ہے۔ اب اس میں عالم ملکوت بھی آتے ہیں۔ فرشتوں کے عالم بھی آتے ہیں۔ آپ ﷺ جس طرح انسانوں کے لئے رحمت تھے اسی طرح آپ فرشتوں کے لئے بھی رحمت تھے۔ زمین کی مخلوق کے لئے جیسے رحمت اسی طرح آپ فرشتوں کے لئے رحمت تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو رحمت للعالمین بنایا تھا للہذا پسند فرمایا کہ میرے رحمت للعالمین کو دنیا کی مخلوق نے تو دیکھ لیا میں اس رحمت للعالمین کو عرش کی سیر کے لئے بلاتا ہوں تاکہ عرش کے رہنے والے فرشتے بھی اس کا دیدار کر لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اس لئے معراج عطا فرمادی تاکہ فرشتے بھی نبی اکرم ﷺ کے دیدار سے مستفید ہو سکیں۔

3 فرشتوں پر اپنے محبوب ﷺ کی برتری کا اظہار :-

پھر اس میں ایک حکمت یہ تھی کہ فرشتے چونکہ عرش پر تھے اس لئے ممکن ہے ان کو اپنی بلندی کا ناز ہو۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنی طرف بلالیا اور ان کو کہاں تک پہنچایا ؟ اس بلندی تک پہنچایا کہ فرشتے بھی نیچے رہ گئے۔ گویا فرشتوں پر یہ بات ثابت کر دی گئی کہ دیکھو، تمہیں اپنی بلندی پر فخر نہ ہو، میں اپنے محبوب ﷺ کو اتنا اونچا بلاتا ہوں کہ جبرائیل امینؑ بھی نیچے رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو بلندی عطا فرما کر فرشتوں کے فخر کو یا ناز کو توڑ کر رکھ دیا کہ دیکھو میرے محبوب ﷺ کو کیا شان عطا فرمائی گئی۔

4 اپنے محبوب ﷺ کو امام الکل ثابت کرنا :-

پھر آپ ﷺ بیت اللہ (مکہ) سے چلے ۔ وہاں پر گویا امام الانس تھے کیونکہ آپ ﷺ نے وہاں انسانوں کی امامت فرمائی ۔ جب آپ ﷺ مسجد اقصیٰ گئے وہاں آپ نے انبیاء کی امامت فرمائی تو امام الانبیاء بن گئے ۔ جب آپ عرش پر تشریف لائے وہاں آپ ﷺ نے فرشتوں کی امامت کروائی تو امام الملائکہ بنے ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ یہ میرے محبوب امام الکل ہیں ۔ میری سب مخلوق کے امام ہیں ۔

5 کفار مکہ کی پسپائی :-

پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ کفار نے جب آپ ﷺ سے گفتگو کی تھی تو انہوں نے کلمہء توحید کو چھوڑنے کے بدلے آپ ﷺ کے سامنے دنیا کا مال پیش کیا تھا، دنیا کے خزانے پیش کئے تھے، دنیا کا حسن و جمال پیش کیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی کہ میرے محبوب ﷺ ! یہ کفار آپ ﷺ کے سامنے دنیا کا مال پیش کرتے ہیں، آپ ﷺ ذرا میری طرف آیئے، میں آپ ﷺ کو اپنے خزانوں کی سیر کرادوں کہ آپ ﷺ کے پروردگار نے آپ کے لئے کیسے کیسے خزانوں کو جمع کر رکھا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے خزانوں کی سیر کرادی تاکہ کفار کی یہ بات غلط ثابت ہو کہ دنیا کا پیسہ بڑی چیز ہے ۔ جو دنیا سے منہ موڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمتوں کے خزانے عطا فرمادیتے ہیں ۔ اس لئے اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو معراج کی یہ سعادت عطا فرمائی ۔

6 محبوب ﷺ کی دلداری :-

اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ ایک مرتبہ جب کفار نے سخت دل آزاری کی تو آپ ﷺ نے یہ کہا تھا کہ کوئی دوست ہوتا جو میرا ساتھ دیتا، کوئی رفیق سفر ہوتا

جو میری غمخواری کرتا، کوئی میرا یار ہوتا جو دلداری کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اپنے محبوب ﷺ کو عرش پر بلوالیا۔ گویا فرمایا میرے محبوب ﷺ! میں ہی تو آپ کا رفیق الاعلیٰ ہوں۔ اگر دنیا ایذا دیتی ہے تو آؤ میں تمہاری دلداری کروں گا۔ دنیا نے تو تکلیف دی، آیئے میں آپ ﷺ کے دل کو خوشیاں دے دوں۔ دنیا نے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچائی، میں آپ ﷺ کے دل کو تسکین دے دوں۔ دنیا نے تو آپ ﷺ کو پریشان کیا تو آیئے سعادت کی دستار میں آپ ﷺ کے سر پر رکھ دوں۔ اس لئے کہ میں ہی آپ ﷺ کا رفیق الاعلیٰ اور آپ ﷺ کا دوست ہوں۔ تو معراج کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے پاس بلوا کر آپ ﷺ کی دلداری فرمائی۔

7 عیسائیوں کے زعم باطل کا توڑ:۔

اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے عرش پر بلایا اور چوتھے آسمان کے اوپر ان کا قیام فرمادیا ممکن ہے کہ عیسائیوں کے دل میں یہ بات پیدا ہوتی کہ ہمارے پیغمبر بڑے افضل ہیں، ان کو آسمانوں پر اٹھایا گیا اور چوتھے آسمان پر ان کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا فخر توڑنے کے لئے اپنے محبوب ﷺ کو معراج عطا فرمائی۔ کہ او نصاریٰ! تم دیکھو، اگر تمہارے پیغمبر کو چوتھے آسمان تک اٹھایا گیا تو میں اپنے محبوب ﷺ کو چوتھے آسمان سے بھی اوپر لے بلا رہا ہوں۔

8 مشاہدہء حق کے ساتھ حمد و ثنا:۔

اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ دنیا میں جتنی بھی مخلوق آئی، سب اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی تھی مگر سب کے سب ان دیکھے تعریف کر رہے تھے۔ کوئی تو ایسا بھی ہو جو دیکھ کر تعریف کرنے والا ہو۔ اس مقصد کے لئے پروردگار نے اپنے محبوب ﷺ کو بلا

لیا۔ میرے محبوب ﷺ ! ساری دنیا ان دیکھے تعریف کرتی رہی، میں آپ ﷺ کو وہ مقام عطا کرتا ہوں جہاں میری نشانیوں کو دیکھ کر اور مجھے دیکھ کر آپ میری تعریفیں کر سکیں۔ چنانچہ جتنے بھی انبیاء آئے ان کی گواہی ان دیکھے تھی، ایک ہمارے محبوب ﷺ ہیں جنہوں نے دیکھ کر گواہی عطا فرمائی۔

9 اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی سیر :-

دنیا کا دستور ہے کہ جب بادشاہ کسی کو اپنا دوست بناتا ہے، اس کو اپنے محلات کی سیر کرواتا ہے۔ اپنے خزانے دکھاتا ہے۔ اپنے دربار میں بلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنا قرب خاص عطا فرما دیا تو ان کو عرش و قلم سے اوپر بلا لیا۔ اپنے مقامات کی سیر کروائی۔ اپنے خزانوں کی سیر کروادی۔ میرے دوست! دنیا میں اگر اسی طرح اپنے خزانوں کو اپنے دوست کو دکھایا جاتا ہے تو میں حقیقی شہنشاہ ہوں، آیئے میں بھی اپنے خزانوں کا آپ ﷺ کو دیدار کرادیتا ہوں۔ تاکہ دنیا والوں کو یقین آجائے کہ واقعی میں نے آپ ﷺ کو اپنا محبوب ﷺ بنا لیا ہے۔

10 شفاعت میں آسانی :-

پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ قیامت کے دن شافع بنیں گے۔ یعنی شفاعت کرنے والے۔ اسی لئے تو شافع روز جزاء کہا جاتا ہے۔ اس لئے جب اذان کے بعد دعا مانگی جاتی ہے تو اس میں کہا جاتا ہے کہ اے اللہ! ہمیں نبی اکرم ﷺ کی شفاعت عطا فرمانا اور آپ کو مقام محمود عطا فرمانا۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں، قیامت کا دن ہوگا، انسانیت پریشان ہوگی۔ ہر انسان اپنے گناہوں کے بقدر اپنے پسینے کے اندر ڈوبا ہوا گا جس کو برداشت کرنا مشکل ہوگا۔ سب کے سب انسان مختلف انبیاء کرام کے پاس جائیں گے۔ سیدنا آدمؑ کے پاس، حضرت

نوحؑ کے پاس، حضرت ابراہیمؑ کے پاس، حضرت موسیٰؑ کے پاس، حضرت عیسیٰؑ وغیرھم کے پاس جائیں گے۔ فریاد کریں گے کہ اے اللہ کے نبی! آپ ہماری شفاعت کر دیجئے۔ مگر سب تھراتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جلالت شان سے سب کے سب کانپتے ہوں گے۔ پھر ایسے وقت میں سب میری طرف آئیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے وہ مقام ملے گا کہ مجھے اس پر بٹھایا جائے گا۔ میں وہاں سجدے میں سر رکھ کر اللہ کی حمد بیان کروں گا، تعریفیں کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، کہ میں اللہ کی ایسی تعریف کروں گا کہ ایسی تعریف نہ پہلے کسی نے کی ہوگی اور نہ ایسی تعریف کوئی بعد میں کرے گا۔ وہ تعریف ایسی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا سارا جلال اللہ تعالیٰ کے جمال میں بدل جائے گا۔ پروردگار کی رحمت جوش میں آئے گی۔ فرمائیں گے آپ ﷺ نے میری ایسی حمد بیان کی، سجدے سے سر اٹھایئے۔ جس کی آپ شفاعت کریں گے ہم آپ کی شفاعت قبول کریں گے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو عرش پر بلا کر جنت اور دوزخ کے مناظر دکھا دیئے تاکہ لوگوں کی شفاعت کرنے میں قیامت کے دن اپنے محبوب ﷺ کو آسانی ہو سکے۔ بندے نے منظر دیکھا ہو تو اس کی بات کہنا آسان ہوتا ہے۔ اگر پہلی دفعہ بات دیکھی ہو تو انسان کئی مرتبہ پریشان ہوتا ہے کہ میں کیا کہوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو معراج عطا فرما کر جنت و دوزخ کی یہ سیر اس لئے کرا دی، جہنم کے مناظر دکھا دیئے تاکہ میرے محبوب ﷺ کو پتہ رہے کہ جنتیوں اور جہنمیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور قیامت کے دن آپ ﷺ ان کی شفاعت کا حق ادا کر سکیں۔

اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے دنیا میں ہر نبی کو ایک ایسی دعا کا اختیار دیا کہ تم جیسے مانگو گے اس دعا کو اسی طرح قبول کر لیا جائے گا۔ جب آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی تو صحابہؓ تڑپ اٹھے۔ پوچھتے ہیں اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ نے آپ کو بھی

اختیار دیا۔ فرمایا! ہاں، عرض کیا تو اے اللہ کے نبی ﷺ! پھر آپ نے کونسی دعا مانگی؟ فرمایا، میں نے کوئی دعا نہیں مانگی۔ میں نے اس دعا کو اپنے لئے ذخیرہ بنالیا۔ قیامت کا دن ہوگا میری گنہگار امت کھڑی ہوگی۔ میں اس وقت دعا کروں گا کہ اے پروردگار! میری ساری امت کو اپنی رحمت سے آج جنت میں داخل کردے۔ فرمایا میں جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ میرا آخری امتی بھی جنت سے باہر ہوگا۔ جب ساری امت اندر چلی جائے گی پھر میں جنت میں داخل ہوں گا۔ میں قیامت کے دن وہ دعا کروں گا اور اللہ تعالیٰ میری دعا کے بدلے میں میری گنہگار امت کی مغفرت فرما دیں گے۔ سبحان اللہ

11 رحمت خداوندی کا اظہار :۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو معراج پر بلایا تو اس میں ایک حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پر قیامت کے دن اپنی امت کے سارے احوال کھولنے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو عرش پر بلایا اور اپنی رحمت کے خزانے دکھادیئے تاکہ میرے محبوب ﷺ کو میری رحمت کے خزانوں کو آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت مل جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اگر آپ پر امت کے گناہوں کو پیش کیا جائے آپ ﷺ کا دل رنجیدہ ہو کہ میری امت کے اتنے گناہ ہیں، کیسے بخشے جائیں گے۔ پروردگار عالم نے اپنے محبوب ﷺ کو رحمت کے خزانے دکھادیئے۔ او میرے محبوب ﷺ! تیری امت کے گناہ جتنے بھی زیادہ ہوں، ذرا میری رحمتوں کو بھی دیکھ لو۔ وہ ان رحمتوں سے زیادہ نہیں ہوسکتے۔ میری رحمتیں ان تمام گناہوں سے زیادہ ہوں گی تاکہ میرے محبوب ﷺ کے دل کو امت کے گناہوں کو جان کر تکلیف نہ ہو۔

12 زمین اور آسمان کے مدارج میں برابری :-

بعض علماء نے یہ حکمت بھی لکھی ہے کہ ایک دفعہ زمین اور آسمان کے درمیان ہم کلامی ہوئی۔ آپس میں بات چیت ہوئی۔ آسمان نے کہا، دیکھو، میرے اوپر فلاں چیز ہے۔ زمین نے کہا، میرے اوپر فلاں چیز ہے۔ آسمان نے کہا، میرے اوپر چاند اور ستارے ہیں۔ زمین نے کہا کہ میرے اوپر نبی اکرم ﷺ کے صحابہ ہیں۔ آسمان نے کہا، میرے اوپر اللہ کی رحمت کے خزینے ہیں۔ زمین نے کہا، میرے اوپر محبوب کی رحمت کا مدینہ ہے۔ تو آپس میں اس طرح باتیں ہوتی رہیں۔ آسمان نے کہا، میرے اوپر مقدس مقامات ہیں تو زمین نے بھی کہا کہ میرے اوپر طور، مکہ اور مدینہ جیسے مقامات ہیں۔ آپس میں ہمکلامی طویل ہو گئی۔ بالآخر زمین نے کہا کہ اچھا تیرے اوپر جو کچھ بھی ہے، بتاؤ تو سہی تیرے اوپر اللہ کے محبوب ﷺ تو نہیں۔ یہ سعادت تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی عطا فرمادی۔ جب زمین نے کہا تو آسمان کے پاس اس کا جواب نہ تھا۔ پروردگار عالم کی رحمت نے چاہا کہ اچھا اگر زمین کو یہ سعادت ملی ہے کہ میرے محبوب ﷺ کے قدم اس پر لگے ہیں، تو میں محبوب ﷺ کے قدموں کو عرش پر بھی لگوا دیتا ہوں تاکہ سعادت میں دونوں برابر ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو معراج عطا فرمائی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

عاجزی و انکساری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

احساناتِ خداوندی :

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اے انسانو! اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو۔ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ اور وہ غنی ہے جس کی تعریف کی گئی ہے۔ یعنی عظمتوں والا کبریائی والا اور شان والا ہے۔ وہ پروردگار جس نے تمہیں زندگی کی سب نعمتیں عطا فرمائیں، جس نے تم پر بارش کے قطروں سے بھی زیادہ احسانات فرمائے۔ تمہارے جسم کا انگ انگ اس مالک و خالق کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے۔

لوگو! اپنی حقیقت کو پہچانو۔ اگر پھر بھی اپنے پروردگار کے سامنے نہیں جھکو گے اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وہ چاہے تو تمہیں لے جائے، تمہیں مٹا دے، ختم کر دے اور تذکروں میں تمہارا تذکرہ بھی باقی نہ رہے۔ کبھی قصوں اور کہانیوں میں بھی تمہیں یاد نہ کیا جائے۔ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ اور ایک نئی مخلوق کو تمہاری جگہ پیدا کر دے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ اور اللہ پر یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔

خاک کی عظمت :

ہم بندے ہیں اور بندگی ہی اچھی لگتی ہے۔ خاکی النسل ہیں لہذا خاکی النسل بن کر زندگی گزار دیں۔ جبکہ شیطان ہمیں آتشی النسل بن کر زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے خاک (مٹی) پاؤں کے نیچے رہے تو ہر بندہ پسند کرتا ہے۔ اگر پاؤں کے نیچے سے اڑ کر کپڑوں پر آگرے تو لوگ فوراً جھاڑ دیتے ہیں۔ چہرے پر آپڑے تو بھی لوگ فوراً دھو دیتے ہیں لہذا خاک کو عاجزی ہی زیبا ہے۔ جب تک یہ پاؤں کے نیچے رہے اس وقت تک اس کی عظمت ہے، قدر ہے اور جب یہ نیچے سے اوپر ہونے کی کوشش کرتی ہے تو ہر بندہ اسے ناپسند کرتا ہے اور اسے مٹانے کی کوشش کرتا ہے بالکل اسی طرح جو انسان آتشی النسل بن کر آگ کے شراروں کی طرح اونچا اٹھنا چاہتا ہے پروردگار عالم اس کا نام ونشان مٹا دیتے ہیں۔

تصوف کسے کہتے ہیں :

تصوف کشف کے حاصل ہونے کا نام نہیں، رنگ دیکھنے کا نام نہیں، دل کی حرکت حاصل ہونے کا نام نہیں، خلاف عادت واقعات پیش آنے کا نام نہیں، آئندہ پیش آنے والے واقعات کا علم ہونے کا نام نہیں، مقدموں کے فتح ہونے کا نام نہیں، دعاؤں کے قبول ہونے کا نام نہیں، کیونکہ دعا تو شیطان کی بھی قبول ہو گئی تھی، نماز اور تلاوت کے اندر کچھ خاص کیفیات محسوس ہونے کا نام نہیں بلکہ تصوف اپنے آپ کو مٹا دینے کا دوسرا نام ہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ نے ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ سے پوچھا کہ حضرت! تصوف کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا

کہ تصوف اپنے کو مٹادینے کا دوسرا نام ہے۔اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اپنی " میں" کو مٹالو :

میرے دوستو! اپنی میں کو مٹالو۔یاد رکھنا کہ جو اپنی میں کو نہیں مٹاتا پھر اللہ تعالیٰ خود اس کی میں کو مٹاتے ہیں اور جس کی میں کو اللہ مٹاتا ہے پھر اس کا تماشا دنیا دیکھتی ہے۔اس سے پہلے کہ اللہ ہماری "میں" کو توڑ دے ہم اپنی "میں" کو خود توڑ لیں۔اسے کہتے ہیں نفس کو مٹانا۔

تصوف کی بنیاد :

اپنے نفس کو مٹادینے والی یہ نعمت اوپر سے چلی آرہی ہے۔آج لوگ پوچھتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد کہاں؟ بھئی یہ اپنے آپ کو مٹادینا، نفس میں عجب اور تکبر جیسی بیماریوں کو ختم کرنا ہی تو تصوف ہے اور یہ تعلیمات تو ہمیں صحابہ کرام اور سلف صالحین سے ملتی ہیں۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی عاجزی :

اپنے آپ کو مٹانے کی بہترین مثال تو صدیق اکبرؓ کی زندگی میں ملتی ہے۔ محبوب دو عالم ﷺ ان کو صدیقیت کی بشارت دیتے ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں ان کے تذکرے فرماتے ہیں۔احد سے کہتے ہیں کہ احد! کیوں ہلتا ہے؟ تیرے اوپر صدیق ہے۔اپنی حیات مبارکہ میں ان کو مصلے پر کھڑا فرماتے ہیں، ہجرت کے وقت رفیق سفر بناتے ہیں مگر اس سب کچھ کے باوجود صدیق اکبرؓ کی یہ حالت تھی کہ جب اپنے آپ پر نظر ڈالتے تو کانپ اٹھتے، رو پڑتے اور رو رو کر کہتے، کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا، کاش! میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا، کاش! میں کوئی پرندہ

ہوتا، کاش! میں گھاس کا کوئی تنکا ہوتا جسے کوئی جانور ہی کھالیتا۔

ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی مَیِّتٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اِبْنِ اَبِیْ قُحَافَةْ۔

(کہ جو شخص چاہے کہ زمین کے اوپر چلتی ہوئی کسی لاش کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکر صدیق کو دیکھ لے)

سبحان اللہ پھر اللہ رب العزت نے ان کو غار میں اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کی بشارتیں دیں۔ کیونکہ خواہشات ختم ہو گئی تھیں، ہوائے نفسانی کا نام و نشان نہ رہا تھا، حقیقت انسانیت نصیب ہو چکی تھی۔ وہ زندہ تو تھے مگر دنیا میں نہیں تھے بلکہ ان کے دل و دماغ عرش کے اوپر پہنچے ہوئے ہوتے تھے۔

سیدنا عمر ابن الخطابؓ کی عاجزی:

سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے اپنے آپ کو کیسے مٹایا؟ ایک مرتبہ کسی جہاد سے مال غنیمت آیا۔ قیدی بھی آئے۔ آپ نے دیکھا تو خوش ہوئے۔ اس کے بعد لوگوں سے کہا ذرا منبر کے قریب ہو جاؤ۔ لوگ منبر کے قریب ہو گئے۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر اپنے آپ کو کہا "عمر! تو وہی تو ہے جس کی ماں خشک گوشت چبایا کرتی تھی" عرب میں یہ غربت کی علامت ہوتی تھی کہ جن کو کھانے کا کچھ وافر حصہ میسر نہیں ہوتا تھا وہ بھوک کی شدت کی وجہ سے خشک گوشت چبایا کرتے تھے۔

یہ بات کہہ کر حضرت عمرؓ منبر سے نیچے اتر گئے۔ صحابہ کرامؓ حیران ہوئے کہ ہمیں امیر المومنین نے اکٹھا کیا تھا تو کیا یہی کچھ کہنا تھا۔ بعد میں انھوں نے حضرت

عمرؓ سے پوچھا' حضرت !آپ نے اتنے لوگوں کو اکٹھا بھی کیا کہ بات سنو اور کوئی خاص بات بھی نہیں کی بس یہی کہا کہ عمر! تو اس ماں کا بیٹا ہے جو خشک گوشت چبایا کرتی تھی، آخر کیا وجہ ہے ؟ حضرت عمر نے جواب دیا، جب قیدی آئے اور مال غنیمت بھی آیا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ عمر! اللہ نے تجھے کیا ہی شان دی ہے کہ تیرے زمانے میں اسلام کو فتوحات ہو رہی ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے نفس کے اندر کہیں عجب پیدا نہ ہو جائے۔ میں نے اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ سارے لوگوں کو بلا کر ایک ایسی بات کہہ دی جس نے میرے اندر سے خود پسندی کو ختم کر کے رکھ دیا۔

سبحان اللہ !وہ اپنے نفس کو یوں پامال کرتے تھے۔ ادھر نفس کے اژدھا نے سر اٹھانے کی کوشش کی ادھر انھوں نے اس کے سر پر چوٹ لگائی ۔ بس ذرا سی بات پر نفس کو دوا پلا دیتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ حضرات اپنے نفس پر ہر وقت نگاہ رکھا کرتے تھے۔

عجب مہلک ترین مرض ہے :

حدیث پاک میں کچھ مہلکات (ہلاک کر دینے والی) اور کچھ منجیات (نجات دینے والی) باتیں بتائی گئی ہیں۔ مہلکات میں ایک بڑی چیز جو انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے وہ عجب ہے۔ اسی لیے فرمایا وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ اور انسان کا اپنے نفس کے اندر عجب پیدا کر لینا اس کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔ آج ہم سب اس کے مریض ہیں اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰه ، عجب اور تکبر کو تو ہم برائی ہی نہیں سمجھتے۔ ہمیں تو ہر وقت "میں" دکھانے کی فکر رہتی ہے۔

تین زمانے :

ایک وہ زمانہ تھا جب حضرات کچھ عمل کرتے تھے اور اسے چھپا لیتے تھے۔ پھر وہ

زمانہ آیا کہ عمل کرتے تھے اور بتادیتے تھے۔ اور آج وہ زمانہ ہے عمل کرتے بھی نہیں اور بتاتے بھی پھرتے ہیں کہ جی میرا ارادہ حج کرنے کا ہے، جی میرا ارادہ کتاب لکھنے کا ہے، جی میرا ارادہ ایک مدرسہ بنانے کا ہے۔ ابھی ذہنوں میں سوچ ہوتی ہے اور تشہیر پہلے ہی کر رہے ہوتے ہیں تاکہ لوگ اس کا تذکرہ آگے کریں اور ہمارا نفس موٹا ہو۔ ہم نفس کو پالنے میں مشغول ہیں اور نفس ہمیں جنہم میں دھکا دینے میں مشغول ہے۔ ہمارا بنے گا کیا؟

حضرت عمرؓ کے فضائل :

سیدنا عمرؓ ابن الخطاب نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بشارتیں پائیں۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا ہی شان عطا فرمائی تھی کہ کئی مرتبہ ان کی سوچ وحی الہی کے مطابق نکلی۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان کی سوچ پر وحی الہی اتری بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کئی مرتبہ ان کی سوچ وحی الہی کے بالکل مطابق نکلی۔ ان کے بارے میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا **لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیّاً لَکَانَ عُمَرْ** اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔ فرمایا **اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرْ** عمرؓ کی زبان پر حق بولتا ہے۔ فرمایا، عمرؓ جس راستے پر گزر جاتا ہے شیطان اس راستے کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی عاجزانہ دعا :

جن کے بارے میں زبان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے فضائل بیان کروائے گئے، وہ تہجد کے اوقات میں پروردگار عالم کے سامنے اپنی رازو نیاز کی باتیں کرتے ہوئے اپنے دل کی کیفیات کیسے کھولتے تھے۔ اس وقت پروردگار عالم کے

سامنے ہاتھ پھیلا کر ایسی دعا مانگتے تھے جو میرے اور آپ کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کرتے تھے، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا اے اللہ! مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنا دے اور مخلوق کی نظر میں بڑا بنا دے۔ اس لئے کہ جب کوئی مخلوق کی نظر میں بڑا ہو گا تو اس کے لئے دعوت وارشاد کا دروازہ کھل جائے گا اور اگر لوگ ہی کسی کو حقیر سمجھیں گے تو وہ دینی فائدہ بھی نہیں اٹھا پائیں گے۔ آپ نے اس لئے بھی یہ دعا مانگی کہ نفس کہیں پھولنے نہ پائے۔ یہی تصوف ہے۔

ہماری حالت زار :

ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنی نظر میں بادشاہ بنے ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جی کرنا تو وہ ہے جو اپنی مرضی میں آئے گا۔ بھئی! اب شریعت کہاں گئی؟ کہنے والے ہیں کون؟ صوفی صاحب۔ گھر میں بیوی سے جھگڑا ہو تو کہتا ہے، میں وہ کروں گا جو میری مرضی میں آئے گا۔ دوستوں اور رشتہ داروں سے جھگڑا ہو جائے تو کہتا ہے جی میں وہ کروں گا جو میری مرضی میں آئے گا۔ بھئی جب تک یہ ہماری اور میری والے الفاظ نہیں چھوٹیں گے تب تک ہمیں اپنی اصلیت نصیب نہیں ہو گی، تب تک ہمیں تصوف کی حقیقت حاصل نہیں ہو گی۔

حضرت عمرؓ کی عاجزی کا ایک اور واقعہ :

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو اتنے بلند مقامات نصیب فرمائے تھے۔ اس کے باوجود اپنے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ سے پوچھا، حذیفہ! مجھے یہ تو پتہ ہے کہ تمہیں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے منافقین کے نام بتا دیئے

تھے۔ میں آپ سے منافقین کے نام تو نہیں پوچھتا بس اتنی بات پوچھتا ہوں کہ کہیں عمرؓ کا نام تو ان منافقین میں شامل نہیں ہے۔ اگر ہم ہوتے تو ہم کہتے کہ ہم تو مراد مصطفیٰ ہیں، ہمارے لیے تو محبوب خدا دعائیں مانگتے تھے۔ دیکھیے تو سہی کہ جنہیں مانگ کر لیا گیا وہ پروردگار کے حضور اس طرح جھکتے تھے اور اپنے آپ پر اتنے محتاط رہتے تھے کہ پھر بھی پوچھتے تھے کہ کہیں عمرؓ کا نام تو ان میں شامل نہیں۔ کیا ہم نے کبھی ایسی نظر اپنی ذات پر ڈالی ہے ؟ نہیں۔ بلکہ ہماری تو گردنیں تنی رہتی ہیں، آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہماری نگاہیں دوسروں کے چہروں پر پڑتی ہیں، ہمیں دوسروں کے عیب تو نظر آتے ہیں مگر اپنی حالت نظر نہیں آتی۔ کاش! یہ آنکھیں بند ہوتیں' یہ گردنیں جھک جاتیں اور یہ نگاہیں اپنے سینے پر پڑتیں کہ میرے اپنے اندر کیا عیب چھپے ہوئے ہیں۔ آج اس بات کی شدید کمی ہے۔

حضرت علیؓ کی عاجزی :

ایک مرتبہ ایک آدمی حضرت علیؓ سے ملا۔ وہ تابعین میں سے تھا۔ اس نے حضرت علیؓ کو نہ پہچانا کیونکہ مدینہ میں نووارد تھا۔ لہذا اس نے پوچھا' **مَنْ اَنْتَ** ؟ آپ کون ہیں ؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا **مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** میں نہیں ہوں مگر مسلمانوں میں سے ایک آدمی۔ میرے دوستو! انہوں نے یہ نہ بتایا کہ میں داماد مصطفیٰ ہوں، میں خاتون جنت فاطمہ الزہراءؓ کا خاوند ہوں، میں سید شباب اھل الجنۃ حسنؓ و حسینؓ کا جد امجد ہوں، میں باب العلم ہوں، مجھے اسد اللہ الغالب کہا گیا، میرے ہاتھ پر اللہ رب العزت نے خیبر فتح کروایا۔ انہوں نے اپنے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہی۔ بلکہ اپنی ذات کی نفی کر دی، اپنی شان کی نفی کر دی، اپنے مقامات کی نفی کر دی۔ جب ان اکابرین کا یہ حال تھا تو میں اور آپ کس کھیت کی گاجر

مولی ہیں کہ ہم دعوے کرتے پھریں کہ ہمیں تو یہ کیفیت اور مقام حاصل ہے۔

عزازیل شیطان کیسے بنا؟

شیطان کو بھی اسی لئے پھٹکار پڑی۔ آپ بتایئے کہ جب شیطان نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو کیا اس نے کوئی شراب پی ہوئی تھی کہ وہ اتنا مدہوش تھا۔ اس کو کس چیز کا نشہ تھا۔ اس نے مئے تکبر پی ہوئی تھی۔ اسے تکبر کا نشہ تھا۔ وہ کہتا تھا، اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کہ اس آدم سے تو میں اچھا ہوں۔ اس نے "میں" کی شراب پی ہوئی تھی۔ اس لئے پھٹکار دیا گیا۔ کہاں طاؤس الملائکہ تھا اور کہاں فرمادیا کہ اب تم میرے دشمن ہو۔ فَاخْرُجْ مِنْھَا فَاِنَّکَ رَجِیْم (نکل جا، دفع دور ہو جا، تو مردود ہے)۔ آج تو ہم خود گناہ کرتے ہیں اور پھر بھی شیطان کا نام لگا دیتے ہیں، چلیں گنجائش ہے۔ مگر جب شیطان نے گناہ کیا اس وقت تو شیطان کوئی نہیں تھا، اس کا اپنا نام عزازیل تھا۔ اب بتایئے کہ عزازیل کو شیطان کس نے بنایا؟ اس کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اپنے نفس نے اس کو شیطان بنادیا۔ نفس ایسا ہے کہ اگر بگڑا ہوا ہو تو یہ طاؤس الملائکہ کو بھی شیطان بنادیتا ہے۔

ہمارا اصل دشمن:

اس لئے ہمیں شیطان سے زیادہ اپنے نفس سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ رب کریم نے شیطان کے متعلق فرمایا اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا (کہ شیطان کا مکر اور اس کی تدبیر کمزور ہے) لیکن جہاں پر ایک انسان کے نفس کے بہکانے کا تذکرہ آیا وہاں فرمایا اِنَّ کَیْدَ کُنَّ عَظِیْمٌ اے عورتو! تمہارے تو مکر اور فریب بڑے ہوتے ہیں۔ جہاں انسانی نفس کا تذکرہ آیا وہاں قرآن نے عظیم کا لفظ

استعمال کیا اور جہاں شیطان کے مکر کا تذکرہ آیا وہاں ضعیف کا لفظ استعمال فرمایا۔ معلوم ہوا کہ شیطان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہمارا اپنا نفس اس کے ساتھ شامل نہیں ہوتا۔ تو ہمیں تو یہی اندر کا بھیدی نقصان دیتا ہے۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے والا معاملہ ہوتا ہے۔ ہمارا اصل دشمن ہمارا اپنا نفس ہے۔ اسی لئے مشائخ کرام نفس پر محنت کرواتے ہیں۔ کسی عارف نے کہا۔

نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

نفس کو مارنے کا مطلب :

نفس کو مارنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل سے خلاف شرع تمنائیں ختم ہو جائیں "میں" مر جائے۔ اسی کو کہتے ہیں نفس کو شریعت و سنت کی نکیل ڈال دینا۔ یہ نفس کو تسخیر کر لینا ہے۔ یہ نفس کو فتح کر لینا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ہم نفس کو تو فتح نہیں کر پاتے اور دنیا کو فتح کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے عہد کیا ہوا ہے کہ جی ہم دنیا کو فتح کریں گے۔ دنیا میں یہ لاگو کریں گے اور وہ لاگو کریں گے۔ ارے میاں! ذرا اپنے نفس پر تو لاگو کر کے دکھا دو۔ دیکھتے ہیں کہ آپ کی اپنے اوپر بھی حکومت ہے کہ نہیں ہے اور جس کی اپنی چھ فٹ کی ذات پر حکومت نہیں بھلا اللہ اس کو پوری زمین کی حکومت کیسے عطا فرما دیں گے۔

مقام تسخیر :

کہتے ہیں جی کہ مقام تسخیر نصیب ہونا چاہئے۔ یہ مقام تسخیر ان کو نصیب تھا جنہوں نے اپنے آپ کو مسخر کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے راستے ہموار کر دیئے

تھے۔

عاجز اور فقیر کا لفظ :

ہمارے مشائخ نے "میں" کے لفظ کو اتنا ناپسند کیا کہ عام بات چیت میں بھی "میں" کا لفظ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ فقیر کا لفظ استعمال فرماتے تھے یا عاجز کا لفظ استعمال فرمالیتے تھے۔ بھئی ہم تو واقعی عاجز ہیں۔ عاجز کا لفظ مجھے اچھا لگتا ہے۔ فقیر کا لفظ بھی اچھا لگتا ہے۔ فقیر کا تو اس لئے کہ پروردگار ہمیں کہہ رہے ہیں اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ (اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو) اس لئے ہمیں تو اپنے آپ کو فقیر ہی کہلوانا چاہئے۔

لفظ" عاجز "کی تحقیق :

اور عاجز کا لفظ اس لئے استعمال کرنا چاہئے کہ فرمایا اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ عقلمند وہ ہے جو جانچ لے اپنے نفس کو اور اس کے لئے عمل کرے جو کہ موت کے بعد ہے، اور پھر آگے فرمایا کہ عاجز وہ ہے جس نے اپنی خواہشات کی اتباع کی۔ اگر حدیث کے ان الفاظ کو سامنے رکھیں تو عاجز کا لفظ ہمارے اوپر بالکل فٹ آتا ہے۔ مشائخ اپنے لئے عاجز کا لفظ اس لئے استعمال نہیں فرماتے کہ ان کے اندر عاجزی ہوتی ہے اور وہ اپنی عاجزی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں بلکہ فرمان رسول ﷺ ان کی نظر میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خواہشات کا بندہ سمجھتے ہیں۔ خواہشات کا غلام سمجھتے ہیں اس لئے عاجز کا لفظ استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔

بکری کا انجام :

خواجہ فضل علی قریشیؒ بہت سادہ باتیں فرماتے تھے۔ سبحان اللہ! بڑوں کی

باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ ایک بات ارشاد فرمائی۔، فقیرو! بکری میں میں کرتی ہے۔ کبھی دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر بکری کا حشر کیا کرتے ہیں؟ گلے پر چھری چلتی ہے، ہڈیاں توڑی جاتی ہیں، بوٹیاں بنادی جاتی ہیں، آگ پر چڑھادی جاتی ہے، بتیس دانتوں میں چبائی جاتی ہے۔ یہ تو اس کے جسم کا معاملہ ہوگا۔ اور باقی کیا بچا؟ اس کی آنتیں بچ گئیں۔ فرمایا کہ ان آنتوں کو لوگوں نے خشک کیا اور کپاس دھننے کے لئے استعمال کیا۔ جس میں سے " مَیں مَیں " کی آواز نکلتی تھی اب جب اس کو ہلاتے ہیں تو اس میں سے " تو تو " کی آواز نکلتی ہے۔ یہ پہلے وقتوں میں ہوتا تھا۔ مگر آج تو روئی دھننے کے لئے مشینیں آچکی ہیں۔ پہلے وقتوں میں ایک تار ہوتی تھی اس کو جب ہلاتے تھے تو اس میں سے " تو تو " کی آواز نکلتی تھی۔ تو فرمایا، فقیرو! دیکھو، یہ بکری " میں میں " کرتی تھی پروردگار نے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ بالآخر اس میں سے " تو تو " کی آواز نکلی ،لوگو! خود ہی " تو تو " کا لفظ نکال لو ایسا نہ ہو کہ تمہارے ساتھ بھی بکری جیسا معاملہ کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں :

میرے دوستو! ہم اپنی اوقات کو دیکھیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کس قدر محتاج ہیں۔ اس پروردگار نے ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا کہ ارشاد فرمایا، وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم شمار ہی نہیں کر سکتے)۔ وہ ہمیں صحت نہ دیتا تو ہم بیمار ہوتے، وہ عقل نہ دیتا تو ہم مجنون ہوتے، وہ مال نہ دیتا تو ہم غریب ہوتے، وہ ہمارے ہاتھ پاؤں ٹھیک نہ کرتا تو ہم لولے لنگڑے ہوتے، وہ ہمیں عزت نہ دیتا تو ہم ذلیل ہوتے، وہ اولاد نہ دیتا تو ہم لاولد ہوتے۔ یہ جو کچھ ہے یہ سب مولا کا کرم ہی تو ہے۔ یہ سب اسی کی مہربانیاں ہیں جو آج ہم اپنے

آپ کو کچھ سمجھنے لگ جاتے ہیں

عزتوں بھری زندگی کا راز :

پروردگار کے حلم پر قربان جائیں کہ اس نے ہمیں برداشت کیا ہوا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی صفت ستاری کے صدقے جی رہے ہیں۔ اگر وہ ہم پر ستاری کا معاملہ نہ فرماتا تو ہم تو چہرے دکھانے کے قابل بھی نہ ہوتے۔ اگر گناہوں میں بو ہوتی تو شاید آج ہمارے پاس تو کوئی بیٹھنا پسند ہی نہ کرتا۔ یہ صفت ستاری کا صدقہ ہے کہ آج ہم عزتوں بھری زندگی گزار رہے ہیں۔

محاسبۂ نفس کا طریقہ :

تصوف اپنے کو مٹا دینے کا دوسرا نام ہے۔ جب پوچھنا ہو تو اپنے آپ سے پوچھیے کہ میں نے تصوف میں کیا کچھ حاصل کیا؟ اس معیار پر اپنے آپ کو پرکھ لیجئے گا کہ میں نے اپنے آپ کو کتنا مٹایا......!!!

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فرمان :

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ سالک اس وقت تک واصل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے آپ کو خسیس کتے سے بھی بدتر نہ سمجھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کتا اپنے مالک کا زیادہ وفادار ہوتا ہے جبکہ ہم اتنے وفادار نہیں ہیں۔

حضرت بلھے شاہ کا کلام :

حضرت بلھے شاہ فرماتے ہیں۔

راتیں جاگیں تے شیخ سڈاویں راتیں جاگن کتے تیں تو اتے

رکھا سکھا ٹکڑا کھا کے دنیں جا رکھاں وچ ستے تیں توں اتے

توں نا شکرا اتے پلنگاں تے اوہ شاکر روڑیاں اتے تیں تو اتے
در مالک دا مول نہ چھوڑن بھانویں مارے سو سو جتے تیں توں اتے
اٹھ بلھیا توں یار منالے ٹئیں تے بازی لے گئے کتے تیں توں اتے

کتا اگر روڑی پر سوئے تو بھی شاکر ہوتا ہے اور اپنے مالک کا شکوہ نہیں کرتا۔ لیکن ہم پلنگوں اور نرم بستروں پر سوتے ہیں اور اس کے باوجود اگر ہمیں کوئی ذرا سی تکلیف پہنچے تو ہم شکوے شروع کردیتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ کا فرمان :

میرے دوستو! جسے اپنے اندر خوبیاں نظر آئیں تو سمجھ لو کہ وہ برباد ہو گیا۔ اپنے آپ پر نظر پڑے تو خامیاں نظر آئیں اور جب رب پر نظر پڑے تو اس کی خوبیاں اور صفتیں نظر آئیں۔ اسی طرح دوسروں پر نظر پڑے تو ان کی خوبیوں پر اور اپنے اوپر نظر پڑے تو اپنی خامیوں پر۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

مرا پیر. دانائے مرشد شہاب
دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آں کہ برخویش خود بیں مباش
دگر آں کہ بر غیر بدبیں مباش

(میرے شیخ و مرشد شہاب نے دو لفظوں میں پوری بات کا خلاصہ سمجھا دیا۔ پہلا یہ کہ تم اپنے پر خود بیں نہ ہونا اور دوسرا یہ کہ کسی دوسرے پر بدبیں نہ ہونا)

آپ دیکھیں تو ہمارے اندر یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ ہم اپنے پہ خود بیں بھی ہیں اور دوسرے پر بدبیں بھی ہیں۔

ایک عجیب تاویل :

ہمارے سلف صالحین کی یہ حالت تھی کہ اگر دوسروں کی کوتاہی بھی سامنے آتی تو تاویل فرمالیتے تھے تاکہ حسن ظن باقی رہے۔ مگر اپنی خوبیوں کو بھی اپنی خامیاں ہی سمجھا کرتے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا ایک مرید غفلت میں پڑ گیا۔ کسی عورت کے ساتھ اس کا تعلق بن گیا۔ ایک اور آدمی کو پتہ چل گیا۔ وہ اس سے پہلے ہی کچھ خار کھاتا تھا ۔اس نے سوچا کہ اچھا موقع ملا ہے۔ میں حضرت کو جاکر حقیقت بتاتا ہوں۔ اس طرح اس کا تو پتہ ہی کٹ جائے گا۔ چنانچہ وہ آیا اور اس نے آکر کہا کہ حضرت! آپ کا فلاں مرید زانی ہے۔ وہ تو بری حرکتیں کرتا پھرتا ہے اور اس کی فلاں فلاں چشم دید باتیں ہیں۔ جب اس نے گواہیاں پیش کیں۔ بات بھی سچی تھی، پوری بھی ہوگئی تھی تو حضرت نے سن کر بالآخر فرمایا اچھا زنا کا مرتکب ہوا۔ مجھے لگتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی صفت مضل کی کوئی تجلی اس کے اوپر پڑ گئی تھی۔ کیونکہ ہدایت بھی وہی دیتا ہے اور گمراہ بھی وہی کرتا ہے۔ یہ سن کر وہ آدمی حیران ہوا کہ میں تو بد ظن کرنے آیا تھا اور حضرت نے تو معاملہ ہی صاف کر دیا ہے۔

ابدال کا مقام کیسے ملا؟

حضرت بایزید بسطامیؒ ابدال کے مقام پر کیسے فائز ہوئے؟ فرمایا کہ ایک مرتبہ اہل شہر نے کہا کہ کافی دن ہوئے ہیں بارش نہیں ہوئی، لگتا ہے کہ شہر میں کوئی ایسا گناہگار ہے کہ جس کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش کو روکا ہوا ہے۔ فرمایا کہ ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ میں نے دل میں سوچا کہ بایزید! اب تمہیں اس شہر میں رہنے کا کوئی حق نہیں، تم ہی وہ گنہگار ہو جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ

نے اپنی رحمتوں کو روکا ہوا ہے۔ میں اپنے آپ کو پورے اہل شہر میں سے سب سے کمتر سمجھ کر شہر سے باہر نکل گیا۔ میرے مالک نے میری عاجزی کو قبول کر کے مجھے ابدال کا مقام عطا فرمادیا۔ سبحان اللہ۔

دیکھا، ہم ہوتے تو کہتے کہ میرے سوا سب گنہگار ہیں۔ سچی بات یہی ہے کہ جو اپنے کو کمتر سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہی کو برتر بنالیا کرتے ہیں۔

جہنم کی آگ حرام ہو گئی :

حضرت بایزید بسطامیؒ کے دور میں ایک آدمی فوت ہوا۔ کسی کو خواب میں نظر آیا۔ اس نے پوچھا سنایئے کیا معاملہ بنا؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری بخشش کر دی۔ اس نے پوچھا، نیکیاں قبول ہو گئیں؟ کہنے لگا، نہیں، ایک چھوٹا سا عمل قبول ہو گیا۔ اس نے کہا کہ بتاؤ تو سہی وہ کونسا عمل ہے۔ کہنے لگا، ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ جا رہے تھے۔ میں ان کو پہچانتا جانتا نہیں تھا۔ کسی نے مجھے کہا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کا ایک ولی جا رہا ہے۔ میں نے ان کو اللہ کا ولی سمجھ کر دیکھا تھا۔ رب کریم نے فرمایا کہ تم نے میرے ایک پیارے کو میرا پیارا سمجھ کر دیکھا تھا، اس نگاہ کے بدلے ہم نے تم پر جہنم کی آگ حرام کر دی۔

سبحان اللہ، جب اپنے آپ کو اتنا کمتر سمجھا تو اللہ نے وہ مقام عطا فرمایا کہ ان کے چہرے پر کوئی محبت کی نظر ڈالتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی بھی مغفرت فرمادیا کرتے تھے۔

امام برحق کی پہچان :

ماضی قریب کے اکابرین کے چند واقعات بھی آپ کو پیش کر دیئے جائیں۔

کیونکہ یہ عنوان بہت اہم ہے۔ لچھے دار تقریروں کی ضرورت نہیں۔ وہ آپ اپنی اپنی جگہ پر بہت سنتے ہیں۔ وہ سن سن کر تو آپ سن ہو چکے ہیں۔ اب ایسی باتوں کی ضرورت ہے جو اندر کو جگائیں :

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
آئینے میں دکھا کر تجھے رخ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

شیخ کا کام کیا ہوتا ہے ؟ آئینے میں چہرہ دکھا دینا۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے۔ اَلْمُؤمِنُ مِرآءَ ۃُالْمُؤمِنِ (مومن مومن کا آئینہ ہے)۔ گویا شیخ شکل دکھاتا ہے کہ حقیقت میں ہے کیا۔ کوئی آئینے پہ بھی غصہ کرتا ہے کہ اس نے میرے چہرے پہ میل کیوں دکھائی ؟ یہ آئینے کا قصور نہیں، یہ تو اس چہرے کا قصور ہے جو میلا بنا پھرتا ہے۔

خواجہ فضل علی قریشیؒ کا مقام :

یہ بات دل کے کانوں سے سنئیے گا۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ ایک مرتبہ محفل میں تشریف لائے اور فرمانے لگے، فقیرو! لوگ متوجہ ہو گئے کہ حضرت کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ پھر فرمایا، فقیرو! اور پھر چپ ہو گئے۔ سوچتے رہے۔ بات شروع نہیں کی۔ اور سوچ کر کہنے لگے، ایک دفعہ میرے پیٹ کے اندر بہت ریح پیدا ہو گئی اور وہ نکلتی نہیں تھی۔ پیٹ میں شدت کا درد ہوا۔ حتی کہ میں تو زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا، مجھے تو دن میں تارے نظر آنے لگ گئے، میری حالت غیر تھی۔

لوگ حیران ہوئے کہ پیر صاحب لوگوں کو متوجہ کر کے کیا قصہ سنا رہے ہیں۔ بھلا کوئی سناتا ہے کسی کو کہ میرے پیٹ میں ریح پیدا ہوگئی اور نکلتی نہیں تھی اور درد کی وجہ سے میں لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا۔ حضرت مزے مزے سے واقعہ سنا رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ میری تو یہ حالت تھی لگتا تھا کہ شاید میری جان ہی نکل جائے۔ اتنے میں میرے جسم سے ریح خارج ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے سکون عطا فرمادیا۔ لوگ حیران تھے ۔ پھر فرمانے لگے, فقیرو! جو آدمی جسم سے گندی ہوا کے نکلنے کا محتاج ہو کیا وہ بھی کوئی بڑا بول بول سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا, حضرت! وہ تو نہیں بول سکتا۔ فرمایا, اچھا میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ اب وہ بات بتائی جو ابتداء میں بتانا چاہتے تھے۔ فرمایا مجھے آج رات خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، فضل علی قریشی! تو نے متبع سنت لوگوں کی ایسی جماعت تیار کی ہے کہ من حیث الجماعت اس وقت پوری دنیا میں کہیں بھی ایسی جماعت موجود نہیں ہے۔

سبحان اللہ ! نبی اکرم ﷺ سے بشارت کیا ملی !!! مگر بتانے سے پہلے معاملہ ہی صاف کر دیا کہ کہیں عجب اور تکبر کی بات ہی نہ آئے۔ دیکھا, ہمارے مشائخ کا یہ طریقہ رہا ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں اتنی مقبولیت کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ بتا رہے ہیں کہ فضل علی قریشی" ! جیسے متبع سنت لوگوں کی جماعت تو نے تیار کی ایسی جماعت اس وقت دنیا میں موجود نہیں مگر عاجزی ایسی کہ اس کو بتانے سے پہلے اپنے بارے میں ایسی بات کرتے ہیں تاکہ نفس کے اندر کوئی عجب اور تکبر پیدا نہ ہو جائے۔

دو راستے :

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی کوتاہی کو تسلیم کرنے میں شرمایا نہ کریں کیونکہ اپنی

کوتاہی کو تسلیم نہ کرنا شیطان کا کام ہے اور اپنی غلطی کو مان لینا حضرت آدمؑ کی سنت ہے۔اب ہمارے لئے دو راستے ہیں۔ کبھی گھر میں کوئی غلطی ہو جائے تو ناک اونچی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کبھی میاں بیوی کی کوئی بات ہوتی ہے تو میاں چاہتا ہے کہ میں **Win** پوزیشن میں آؤں اور بیوی چاہتی ہے کہ میں **Win** پوزیشن میں آؤں۔ دوستوں یا رشتہ داروں میں بات چلے تو کہتے ہیں کہ ہم **Win** پوزیشن میں رہیں۔ یعنی ہم اپنے آپ کو ہمیشہ **Win** پوزیشن میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ نہیں ہم حق کو سامنے رکھیں۔ اگر کبھی کوئی غلطی کوتاہی سرزد ہو جائے تو برملا تسلیم کر لیا کریں کیونکہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لینے میں عظمت ہوا کرتی ہے۔ یہ ہر آدمی کا کام نہیں ہوتا۔ خوبیوں کو اپنی طرف منسوب نہ کیا کریں۔ ہم خوبیوں والے کہاں ؟ ہم تو خوبیوں والے بننے کے متمنی ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ :

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے۔ دوران تدریس ایک جگہ ایسا اشکال وارد ہوا کہ اس کا حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کوئی ہمارے جیسا ہوتا تو وہ تو ویسے ہی گول کر جاتا۔ پتہ ہی نہ چلنے دیتا کہ یہ بھی کوئی حل طلب نکتہ ہے یا نہیں۔ طلباء کو کیا پتہ ،وہ تو پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو استاد کا کام ہے کہ بتائے یا نہ بتائے۔ مگر وہ حضرات امین تھے۔ یہ علمی خیانت ہوتی ہے کہ استاد کے ذہن میں خود اشکال وارد ہو ،جواب بھی سمجھ میں نہ آئے اور طلباء کو بتایا بھی نہ جائے۔ ان حضرات سے تو وہ خیانت ہوتی نہیں تھی۔ چنانچہ آپ نے طلباء کو برملا بتا دیا کہ اس مقام پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے مگر اس کا حل سمجھ میں نہیں آرہا۔ کافی دیر تک طلباء بھی خاموش رہے اور حضرت بھی خاموش رہے۔ آپ بار بار اس کو پڑھ رہے

ہیں۔ کبھی صفحے الٹ رہے ہیں اور کبھی اس کا حاشیہ دیکھ رہے ہیں، مگر اس کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آرہا۔ حتی کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو بات سمجھ نہیں آرہی، چلیں میں فلاں مولانا سے پوچھ لیتا ہوں۔ یہ وہ مولانا تھے جو حضرت سے ہی دورۂ حدیث کر چکے تھے۔ وہ حضرت کے شاگرد تھے۔ اپنے شاگردوں کے سامنے ان کا نام لیا کہ میں ذرا ان سے پوچھ لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ اٹھنے لگے۔ اتنے میں ایک طالب علم بھاگ کر گیا اور اس نے جا کر مولانا کو بتادیا کہ حضرت آپ کے پاس اس مقصد کے لئے آرہے ہیں۔ مولانا اپنی کتاب بند کر کے فوراً حضرت کے پاس پہنچے۔ حاضر ہو کر عرض کیا، حضرت! آپ نے یاد فرمایا ہے۔ فرمایا، ہاں مولانا! یہ بات مجھے سمجھ نہیں آرہی۔ دیکھو کہ اس کا حل کیا ہے۔ انہوں نے پڑھا اور سمجھ تو گئے مگر بات یوں کی، حضرت! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا تو آپ نے ہمیں یہ سبق پڑھاتے ہوئے اس مقام کو اس وقت یوں حل فرمایا تھا اور آگے اس کا جواب دے دیا۔ اب دیکھیں کہ اپنی طرف منسوب نہیں کیا کہ جی میرا تو علم اتنا ہے کہ اب استاد بھی مجھ سے پوچھنے آتے ہیں۔ ناں، ناں، وہ صحبت یافتہ تھے، تربیت یافتہ تھے۔ اس کو کہتے ہیں تصوف اور یہ ہے مٹنا۔

مفتی محمد حسنؒ کی بیعت کا واقعہ:

جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ امرتسری حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے جب دارالعلوم سے پڑھا تو وہیں پڑھانے بھی لگ گئے۔ حتی کہ حدیث کے اسباق مل گئے۔ اب جو استاد دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے استاد ہوں ان کا علمی مقام کیا ہو گا۔ ان کے دل میں بڑی چاہت تھی کہ میں حضرت تھانویؒ سے بیعت ہو جاؤں۔ اس سلسلہ میں کئی مرتبہ خطوط لکھے۔ حضرتؒ ہمیشہ جواب میں فرماتے کہ مفتی صاحب! بیعت میں اصل مقصد تو محبت اور

عقیدت ہے، وہ آپ کو پہلے ہی حاصل ہے تو بیعت کرنا کوئی ضروری تو نہیں ہے۔ چنانچہ ٹال دیتے۔ پھر خط لکھتے پھر ٹال دیتے۔ ادھر سے اصرار ادھر سے انکار۔ مفتی صاحب کے دل میں پھر ولولہ اٹھتا کہ میں بیعت کی نسبت حاصل کروں۔ اگر کبھی اظہار کرتے تو حضرت یہی جواب ارشاد فرماتے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں تھانہ بھون حاضر ہوا کہ میں نے حضرتؒ سے بیعت ہوئے بغیر واپس نہیں آنا۔ میں تو ان کا غلام بننا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ روز قیامت حضرتؒ کے خدام اور غلاموں کی فہرست میں میرا نام شامل کر لیا جائے۔ یہ سوچ کر میں وہاں پہنچا اور حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! آپ مجھے بیعت فرمالیں۔ حضرت نے وہی پرانا جواب دیا کہ مفتی صاحب! بیعت کوئی ضروری تو نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، حضرت! آج تو ضروری ہے، میں بھی دل میں تہیہ کر کے آیا ہوں کہ بیعت ہو کر جانا ہے۔ جب حضرت اقدس تھانویؒ نے بھی دیکھا کہ مفتی صاحب ڈٹ گئے ہیں تو حضرتؒ فرمانے لگے، مفتی صاحب! تین شرائط ہیں بیعت ہونے کے لئے۔ آپ کو وہ تین شرائط پوری کرنا پڑیں گی۔

آج کے دور میں اگر کسی یہ کہا جائے کہ بیعت ہونے کے لئے یہ شرائط ہیں تو وہ مرید کہے گا کہ جی یہ تو بڑے متکبر پیر ہیں، بیعت ہی نہیں کرتے۔ دیکھو جی ہم گھر سے بیعت ہونے کیلئے چل کر آئے ہیں اور پیر صاحب نے آگے بیعت ہی نہ کیا۔ یہ کبھی نہیں سوچیں گے کہ ہماری تنبیہ ہوگی، ہمارا علاج ہوگا، ہمارے نفس کو دوا پلائی جائے گی۔ نہیں بلکہ آج اول تو پیروں کے پاس آتے ہی نہیں اور جب کبھی آتے ہیں تو پہلے آکر اپنے حالات بتاتے ہیں اور پھر ان کے جوابات کا مشورہ بھی دیتے ہیں کہ گویا یوں کہہ رہے ہوں کہ حضرت میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے یہ مشورہ دیں۔

آجکل کے مریدین کا یہ حال ہے۔

خیر یہ تو ضمناً ایک بات آگئی۔ حضرت نے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ کو تین شرائط پوری کرنا پڑیں گی۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت! میں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔ فرمایا کہ پہلی شرط تو یہ ہے کہ آپ پنجابی زبان بولتے ہیں عام طور پر اس زبان کے بولنے سے حروف کے مخارج بگڑ جاتے ہیں، جب تک سیکھے نہ جائیں۔ لہٰذا آپ کسی اچھے قاری سے تجوید و قراءت کا فن سیکھیں۔ حتی کہ مسنون قراءت کے ساتھ آپ پانچوں نمازیں پڑھا سکیں۔ میں نے عرض کیا، حضرت! میں حاضر ہوں۔ دوسری شرط کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ نے فلاں فلاں کتابیں ایک غیر مقلد عالم سے پڑھی ہیں اور غیر مقلدیت کے جراثیم آسانی کے ساتھ ذہن سے نہیں نکلتے۔اب آپ یہ کتابیں دارالعلوم میں طلباء کے ساتھ بیٹھ کر اساتذہ سے پڑھیں ۔ شرط دیکھو کہ کیا لگائی۔ یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ آپ تنہائی میں کسی سے پڑھ لیں۔ مگر نہیں بلکہ فرمایا جس دارالعلوم میں آپ استاد حدیث ہیں اسی دارالعلوم کے طلباء کے ہمراہ جماعت میں بیٹھ کر استاد سے اسی طرح پڑھیں جس طرح طلباء پڑھتے ہیں تاکہ صحیح العقیدہ اساتذہ سے پڑھنے کی وجہ سے غیر مقلدیت کے اثرات زائل ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا، حضرت! مجھے یہ بھی منظور ہے۔ پھر فرمایا کہ تیسری شرط یہ ہے کہ مجھے اجازت دیں کہ میں پردے میں آپ کی اہلیہ کو قسم دے کر آپ کی نجی زندگی کے بارے میں کچھ باتیں پوچھ سکوں۔ میں نے عرض کیا، حضرت مجھے یہ بھی منظور ہے۔

جب یہ بات نقل کی تو حضرت فرمانے لگے کہ حضرت نے تو تین شرطیں لگائی تھیں اگر چوتھی شرط یہ بھی لگا دیتے کہ روزانہ دوپہر تک تم نے بیت الخلاء کی بدبودار

اور گندی جگہ پر بیٹھنا ہے تو میں اس شرط کو بھی قبول کر لیتا۔ مگر کیونکہ میں اپنے اندر کی بدبو سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ جب تمام شرائط پوری کر کے دکھا دیں تو اللہ رب العزت نے ان کیلئے نسبت کے راستے کو ہموار فرما دیا۔ اللہ اکبر

مولانا مفتی محمد حسنؒ کی بے نفسی :

حضرت مفتیؒ صاحب کے بیٹے مولانا عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم آجکل جامعہ اشرفیہ کے مہتمم ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ اس عاجز کو بتایا کہ ابا جی کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ بوندا باندی شروع ہو گئی۔ اماں جی اٹھیں اور انہوں نے اپنی چارپائی کو برآمدے میں رکھ لیا اور ابا جی چونکہ پاؤں سے معذور تھے، چل پھر نہیں سکتے تھے لہٰذا مجھے والدہ صاحبہ نے جگایا۔ میں ہی بڑا بیٹا تھا اور میں ہی جوان العمر تھا۔ مجھے جگا کر کہا کہ بیٹا! اٹھو اور ابا جی کو صحن کی بجائے برآمدے میں لا کر لٹا دو۔ تم انہیں اٹھانا اور میں چارپائی برآمدے میں لا کر اوپر بستر کر دوں گی۔ میں نے اٹھ کر ابا جی کو اٹھایا جبکہ والدہ صاحبہ نے چارپائی برآمدے میں پہنچائی۔ میں نے جب ابا جی کو آکر بستر پر لٹایا تو ابا جی کی آنکھوں میں آنسو آگئے مجھے فرمانے لگے، بیٹا! مجھے معاف کر دو، بیٹا! مجھے معاف کر دو، میری خدمت کی وجہ سے آپ کے آرام میں خلل آیا ہے۔ میرے آرام کی خاطر تمہیں بے آرام ہونا پڑا۔ سبحان اللہ، یہ ہوتی ہے بے نفسی۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عاجزی :

حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بات سنائے بغیر محفل کا مزہ ہی نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل میں بہت ہی بلند مرتبہ عطا کیا تھا۔

اس دور میں شاہ جہان پور انڈیا میں سال میں ایک مرتبہ تمام مذاہب کے لوگ اکٹھے ہوتے تھے اور اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ مسلمان علماء نے سوچا کہ ہم کن کو بلائیں۔ جب حضرت قاسم نانوتویؒ کا نام سامنے آیا تو سب مطمئن ہوئے کہ اچھا ہے کہ حضرت تشریف لائیں اور دین اسلام کی حقانیت پر بیان فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سے رابطہ کیا۔ حضرت نے کہا کہ میں مباحثے سے ایک دن پہلے وہاں بذریعہ ٹرین پہنچ جاؤں گا۔ جب ان علماء نے یہ جواب سنا تو وہ مطمئن ہو گئے کہ چلو حضرت تشریف لے آئیں گے۔

جس دن حضرت نے آنا تھا اس دن لوگوں نے ان کے استقبال کی تیاریاں کیں اور اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ حضرت کی باطنی بصیرت کے واقعات مشہور تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤمِنِ فَاِنَّهُ يَنظُر بِنُوْرِ اللّٰهِ (مومن بندے کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) چنانچہ حضرت نے اپنی باطنی بصیرت سے بھانپ لیا کہ چونکہ لوگوں کو میرے آنے کی اطلاع ہے ایسا نہ ہو کہ وہ استقبال کے لئے اکٹھے ہو جائیں۔ میں تو پہلے ہی بگڑا ہوا ہوں، میرا نفس کہیں اور نہ بگڑ جائے۔ چنانچہ یہ سوچ کر آپ منزل سے ایک اسٹیشن پہلے ہی نیچے اتر گئے کہ میں اگلے شہر تک کا سفر پیدل طے کر لوں گا۔ تقریباً پانچ میل کا سفر بنتا تھا۔ آپ نے پیدل چلنا شروع کر دیا۔ ادھر جب ٹرین پہنچی تو لوگوں نے دیکھا کہ ٹرین میں تو حضرت تشریف نہیں لائے۔ بہت حیران ہوئے کہ کیا بنا۔ ان میں سے ایک بڑے عالم نے کہا کہ شہر کے مسافر خانہ یا ہوٹل سے معلومات حاصل کرو کہ کہیں وہاں آ کے ٹھہر نہ گئے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ہوٹلوں میں پتہ کیا تو وہاں بھی قاسم کے نام کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ ایک ہوٹل میں خورشید حسن کا نام نظر آیا۔

ادھر جس اسٹیشن پر حضرتؒ اترے تھے وہاں سے اگلے شہر جب روانہ ہوئے تو راستے میں ایک نہر عبور کرنا پڑی۔ جب حضرت وہ نہر عبور کرنے لگے تو پاجامہ پانی میں بھیگ گیا۔ جب اس نہر سے باہر نکلے تو اس وقت کوئی خادم، کوئی شاگرد، کوئی رفیق سفر ساتھ نہیں تھا۔ اکیلے جا رہے تھے۔ سبحان اللہ، یہ دیوانہ اللہ کی محبت میں فنا ہو کر دینؒ اسلام کا نمائندہ بن کر جا رہا تھا۔

جب آپ نہر سے باہر نکلے تو آپ نے اپنی چادر باندھ لی، پاجامے کو اتار لیا۔ ہاتھ میں چھڑی تھی۔ سفر کرنا بھی ضروری تھا۔ خشک کرنے کا انتظار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس چھڑی کو کندھے پر رکھ لیا اور اس کے پیچھے اپنا پاجامہ لٹکا لیا۔ دین اسلام کا نمائندہ اس ایک فقیرانہ چال سے جا رہا ہے۔ لوگ استقبال کے لئے جمع ہیں اور یہ فقیر اللہ کی یاد میں مست اپنی منزل کی طرف چل رہا ہے۔ شہر پہنچ کر آپ نے خورشید حسن کے نام سے ہوٹل میں ایک کمرہ بک کروالیا اور سوچا کہ آج آرام کرلوں، کل مباحثے سے پہلے میں متعین جگہ پر پہنچ جاؤں گا۔

دوسری طرف جب لوگ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہوٹل پہنچے تو خورشید حسن کا نام دیکھا۔ پہچان لیا کہ یہ حضرت ہی ہونگے۔ انہوں نے ہوٹل والے سے پوچھا کہ یہاں اس کمرے میں کون ہیں؟ اس نے کہا کہ ایک مولانا ہیں۔ دبلے پتلے اور ہلکے پھلکے سے ہیں۔ انہوں نے کہا، بس وہی جو دیکھنے میں دبلا پتلا ہے وہ بَسْطَةً فِیْ الْجِسْمِ تو نہیں مگر بَسْطَةً فِیْ الْعِلْمِ ضرور ہے اللہ تعالیٰ نے علم کے اعتبار سے اسے بڑا وزن عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ حضرت کے پاس گئے اور مل کر عرض کیا، حضرت! آپ یہاں پر ہیں اور ہم تو آپ کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر گئے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا، ہاں میں بھی اسی لئے یہاں آگیا کہ آپ میرے استقبال کے

لئے اسٹیشن پر گئے ہوئے تھے۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ حضرت یہ کیا فرما رہے ہیں۔ پھر حضرت نے ان کو عاجزی انکساری کا انمول درس دیا اور بڑی حسرت کے ساتھ اپنے بارے میں فرمایا کہ دو لفظ پڑھ لئے ہیں جس کی وجہ سے دنیا جان گئی ورنہ تو قاسم اپنے آپ کو ایسے مٹاتا کہ کسی کو نام کا بھی پتہ نہ چلتا۔

میرے دوستو! جب اپنے دل میں اپنے آپ کو مٹانے کی یہ کیفیت ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اوپر اٹھایا کرتے ہیں۔ آج جہاں تک علم کا نام رہے گا قاسم نانوتویؒ کا نام بھی وہاں تک رہے گا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ

خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کی عاجزی :

ابھی حضرت ماسٹر نجم صاحب مجھے مجمع میں بیٹھے سامنے نظر آئے۔ ان کو دیکھ کر مجھے ایک بات یاد آگئی۔ جو ایک مرتبہ انہوں نے سنائی۔ وہ خود اس کے چشم دید گواہ ہیں مگر ہم نے سنی ہے۔ چونکہ وہ بات موضوع سے متعلقہ ہے اس لئے آپ کو بھی سنا دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ماسٹر صاحب حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کی محفل میں خانیوال تشریف فرما تھے کہ اس وقت حضرت کے ایک مرید آئے۔ اس مرید کا تعلق ایسے علاقے سے تھا جہاں حضرت صدیقیؒ کے ایک اور پیر بھائی رہتے تھے۔ ان کو بھی اجازت و خلافت تھی اور وہ بھی بڑے شیخ تھے۔ حضرت بھی اپنے علاقے کے شیخ اور عالم تھے اور وہ بھی اپنے علاقے کے بڑے شیخ اور عالم تھے۔ میں اس وقت ان کا نام بتانا مناسب نہیں سمجھتا۔ جب محفل میں وہ مرید حاضر ہوئے تو حضرت صدیقیؒ نے ان سے پوچھا کہ بھئی! آپ آتے ہوئے فلاں شیخ سے مل کے آئے ہیں؟ اس نے بتایا کہ ہاں، حضرت! میں مل کے آیا ہوں۔

یہ وہ دور تھا جب حضرت صدیقؓ پر اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تھا۔ دنیا کی ریل پیل تھی۔ دنیا قدموں میں بچھی جاتی تھی۔ حضرت نے پوچھا کہ اچھا جب آپ مل کے آئے تو انہوں نے کیا فرمایا؟ اس نے جھجکتے جھجکتے کہا کہ سلام بھی بھیجا ہے مگر حضرت نے پہچان لیا کہ یہ کوئی بات چھپا رہا ہے۔

پیر آخر پیر ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت، حضرت مرشد عالمؒ ایک مرتبہ کراچی میں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب آئے تو کسی نے کہا کہ حضرت! یہ فلاں آدمی اس اس کام کے لئے آیا ہے۔ حضرتؒ نے غصے سے فرمایا، میں لعنت کرتا ہوں اس پیر پر کہ جس کے پاس مرید آئے اور اسے پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کس مقصد کے لئے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو نور فراست عطا فرما دیتے ہیں۔

جب حضرت صدیقؓ پہچان گئے کہ کوئی بات چھپا رہا ہے تو فرمایا کہ بتاؤ۔ اب وہ خاموش رہا۔ حضرت نے سختی فرمائی کہ بتاؤ اور من و عن اسی طرح بتاؤ کہ جس طرح بات پیش آئی۔ جب حکم دیا تو وہ صاحب بھی سیدھے ہو گئے۔ اور کہنے لگے، حضرت! جب میں ان سے ملا تو بتایا کہ میں حضرت صدیقؓ کی خدمت میں جا رہا ہوں تو انہوں نے مجھے کہا کہ ان کو میرا سلام پہنچا دینا اور یہ کہنا کہ دنیا اور آخرت دو بہنیں ہیں جو ایک نکاح کے اندر جمع نہیں ہو سکتیں. "اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ " ۔ یہ بتا کر کہنے لگا، حضرت! مجھے تو بات کچھ بھی سمجھ نہیں آئی اس لئے میں نے کہنا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت نے جب یہ بات سنی تو رونا شروع کر دیا۔ کوئی ہم جیسا ہوتا تو ہم کہتے کہ بڑے زاہد بنے پھرتے ہیں، کیا ہمارے اندر دنیا کی محبت ہے، ہم بھی تو اللہ کی محبت میں دین کا کام کر رہے ہیں۔ ہم اس کے سو جواب دے دیتے۔ مگر وہاں تو عاجزی تھی۔

حضرت صدیقؓ کافی دیر تک سر جھکا کر روتے رہے۔ بالآخر سر اٹھایا اور ایک ٹھنڈی سانس لیکر فرمایا، الحمدللہ ابھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہماری اصلاح فرماتے رہتے ہیں۔ سبحان اللہ، ہماری یہ حالت ہے کہ اگر کوئی ہمیں اصلاح کی بات کر دے تو توبہ، وہ تو گولی کی طرح لگتی ہے اور ہم ہر ممکن مخالفت پر اتر آتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کی عاجزی کا واقعہ :-

حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خانقاہ مسکین پور شریف میں دور دراز سے سالکین آکر قیام کرتے اور تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کی محنت کرتے تھے۔ عام طور پر یہ حضرات جب فجر کے وقت قضائے حاجت کے لئے بستی سے باہر ویرانے میں جاتے تو واپسی پر کچھ خشک لکڑیاں بھی اٹھا کر لے آتے۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کی عادت شریفہ تھی کہ لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھڑا سر پر اٹھا کر لاتے۔ مقامی لوگ اتنا بڑا گٹھڑ دیکھ کر حیران ہوتے اور آپس میں طنز و مزاح کرتے۔ یہ باتیں کسی ذریعہ سے حضرت قریشیؒ کو پہنچیں تو حضرتؒ نے حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کو بلا کر فرمایا، مولانا! آپ اتنا بڑا گٹھڑ سر پر نہ لایا کریں، بس تھوڑی سی لکڑیاں بھی لے آئیں گے تو کار خیر میں شرکت ہو جائے گی۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے عرض کیا، حضرت! مجھے اس میں کوئی مشقت نہیں اٹھانا پڑتی، میں اپنے شوق سے لے آتا ہوں۔ حضرت قریشیؒ نے فرمایا، مولانا! یہاں کے مقامی لوگ جاہل ہیں، یہ لوگ آپ کی قدر نہیں جانتے لہٰذا آپ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے پوچھا، حضرت! آخر کیا باتیں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ مولانا! جب آپ اتنا بڑا گٹھڑ سر پر لا رہے ہوتے ہیں تو یہ لوگ آپ کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں،

دیکھو پیر قریشی نے خراسان سے گدھا منگوایا ہے۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے فوراً کہا، حضرت! یہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں اسی لئے گدھا کہتے ہیں۔ سبحان اللہ، تواضع کا کیا عالم تھا۔

حضرت مولانا سعید احمد گوہانویؒ کی عاجزی :

حضرت مولانا سعید احمد گوہانویؒ حضرت احمد سعید قریشیؒ احمد پور شرقیہ والوں کے خلفاء میں سے تھے۔ یہاں بھی تشریف لاتے تھے۔ حضرت مولانا حکیم محمد یاسین صاحب دامت برکاتہم کے شیخ تھے۔ اس عاجز کو بھی چند ایک مرتبہ یہاں ان کے جوتوں میں بیٹھنا نصیب ہوا۔ اس وقت چھوٹی عمر تھی۔ تاہم زیارت نصیب ہوئی۔ وہ ایک مرتبہ جھنگ تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کی محفل میں جا کر بیٹھے تو وہ ایک مضمون بیان کر رہے تھے۔ کہنے لگے، فقیرو! تم تو بہت اچھے ہو۔ فقیرو! تم تو بہت اچھے ہو۔ یہ سب خلفاء حضرات دل کے کانوں سے سنیں۔ علماء حضرات بھی دل کے کانوں سے سنیں۔ اساتذہ کرام بھی دل کے کانوں سے سنیں۔...... فرمایا، فقیرو تم تو بہت اچھے لوگ ہو کہ دین کی محبت میں یہاں پہنچے ہو۔ مجھے نیک سمجھتے ہو۔ اللہ والا سمجھتے ہو۔ اس حسن ظن کو لیکر تم یہاں آئے ہو، فقیرو! تم تو بہت اچھے ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم جنتی ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم جنتی ہو۔ بار بار جنت کے تذکرے کئے۔ سوچنے والا سوچتا ہے کہ جی یہ تو جنت کی ٹکٹیں یہیں تقسیم ہونے لگیں۔ ہمارے جیسا کوئی بدگمان ہوتا تو ہم تو اٹھ کر ہی آجاتے کہ جی یہ شیخ بھی کیا جو دنیا میں بیٹھے جنت کی ٹکٹیں تقسیم کر رہا ہے۔ نہیں، بعض اوقات مشائخ بات اس انداز سے کرتے ہیں کہ حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب بار بار کہا کہ تم جنتی ہو تو آخر میں یہ بھی

کہہ دیا کہ میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ تم سب جنتی ہو۔

یہ کہنے کے بعد فرمایا، ہاں! رہا معاملہ تمہارے پیر کا تو وہ کھٹائی میں ہے۔ قیامت کے دن مجھے تو زنجیروں میں باندھ کر پیش کیا جائے گا۔ میں جب تک ثابت نہ کر دوں گا کہ میں نے اس امانت کا حق ادا کر دیا ہے اس وقت تک میری زنجیروں کو نہیں کھولا جائے گا۔ اللہ اکبر

میرے دوستو! اسے بے نفسی کہتے ہیں۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ

اللہ رب العزت ہمیں بے نفس ہو کر یہ کام کرنے کی توفیق نصیب فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہماری میں کو مٹادے اور ہمیں اپنی ذات میں فنائیت عطا فرمادے۔ آمین ثم آمین

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مذمت دنیا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا. وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرْ وَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا. سبحن ربك رب العزة عما يصفون و سلم على المرسلين و الحمدلله رب العلمين o

دنیا کی بے ثباتی :

دنیا دار الفناء ہے، آخرت دار البقاء ہے۔ دنیا دار الغرور ہے، آخرت دار السرور ہے۔ دنیا دار العمل ہے، آخرت دار الجزاء ہے۔ یہ چند روزہ دنیا دار الامتحان ہے۔ حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے 'یہ دنیا سیر گاہ نہیں، تماشا گاہ نہیں، آرام گاہ نہیں، یہ امتحان گاہ ہے، افسوس کہ ہم میں سے بعض لوگوں نے اسے چراگاہ بنا لیا ہے۔ یہ دنیا عارضی ہے آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔ دنیا اینٹ گارے سے بنی ہے، فنا ہونے والی ہے پھر بھی انسان اس سے محبت کرتا ہے اور آخرت سونے چاندی سے بنی ہے، باقی رہنے والی ہے لیکن پھر بھی انسان اس کی طرف رغبت نہیں کرتا۔

سچے صوفی کی پہچان :

آخرت کی طرف انسان کا رجوع ہو جائے، اَلتَّجَا فِیْ عَنْ دَارِالْغُرُوْرِ اس دھوکے کے گھر سے بے رغبتی ہو جائے اور آخرت کی طرف انسان کی دلچسپی ہو جائے، اٹھتے بیٹھتے لیٹتے جاگتے، ہر وقت اسے آخرت کی تیاری کا غم لگا رہے، یہی تصوف کا بنیادی مقصد ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف اضطراب کا دوسرا نام ہے، جب اضطراب نہ رہا تو تصوف رخصت ہو گیا۔ صوفی اس آدمی کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مضطرب ہو، اللہ کی ملاقات کیلئے بے قرار ہو۔ اسی لئے فرمایا وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور جو آخرت کا ارادہ کرے اور کوشش کرے جیسے کوشش کرنی چاہئے اور وہ ایمان والا ہو فَاُولٰئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَشْكُوْرًا تو یہ لوگ ہیں جن کی کوشش کو اللہ رب العزت پذیرائی بخشتے ہیں۔ گویا اس دنیا سے انسان کا بے رغبت ہونا اور دل میں آخرت کا شوق ہونا ایک سچے صوفی کی پہچان ہے۔

اوراد و وظائف کا بنیادی مقصد :

دنیا کی محبت دل سے کیسے نکلے اور آخرت کی رغبت کیسے پیدا ہو، اللہ رب العزت کی محبت دل میں کیسے پیدا ہو؟ اس کیلئے ذکر کی کثرت سکھائی گئی ہے۔ مراقبہ کروانے کا مقصد اور اوراد و وظائف کا مقصد دل میں محبت الٰہی کا پیدا کرنا اور دل سے دنیا کی محبت نکال دینا ہے۔

گناہوں سے بچنے کی دو صورتیں :

دو چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو گناہوں سے بچا سکتی ہیں۔ یا تو انسان کے دل

میں اللہ رب العزت کی ملاقات کا شوق ہو یا اللہ رب العزت کے سامنے پیشی کا خوف ہو۔ ان دونوں کے بغیر گناہوں سے بچنا مشکل ہے۔

سب سے بڑی باطنی بیماری :

دل ایک برتن کی مانند ہے اس میں دو میں سے ایک چیز سما سکتی ہے۔ محبت الٰہی یا محبت دنیا۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوْتِيَ قَارُوْنُ، اے کاش! ہمارے پاس وہ کچھ ہوتا جو قارون کے پاس تھا۔ قارون کے دور کے لوگ بھی یہی کہتے تھے۔ اس لئے کہ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے)۔

عجیب بات یہ ہے کہ آج ہم باقی سب گناہوں سے توبہ کر لیتے ہیں مگر دنیا کی محبت کے گناہ سے توبہ نہیں کرتے۔ آپ نے کبھی دیکھا ہے کہ آدمی اس بات پر بیٹھا رو رہا ہو کہ اے اللہ! میرے دل سے دنیا کی محبت نکال دے اور میرے اس گناہ کو معاف فرما دے۔ عالم بھی، جاہل بھی، عام بھی خاص بھی، باقی سب گناہوں سے توبہ کریں گے، مگر شاید حب دنیا کو گناہ ہی نہیں سمجھتے اس لئے اس سے توبہ نہیں کرتے حالانکہ یہ گناہوں میں سے بڑا گناہ ہے۔ اللہ کی نیک بندی رابعہ بصریہؒ تہجد کے وقت اٹھ کر دو دعائیں خاص طور پر مانگتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ اے اللہ! رات آگئی، ستارے چمک رہے ہیں، دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے، تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے میں تیرے سامنے دامن پھیلاتی ہوں۔ اور دوسری دعا یہ مانگتی تھیں کہ اے وہ ذات جس نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے، دنیا کی محبت کو میرے دل میں داخل ہونے سے روک دے۔

دنیا سے منہ موڑنے کا مطلب :

جب یوں کہا جاتا ہے کہ دنیا کی محبت دل میں نہ ہو، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان غاروں میں جا کر زندگی گزارے، ماحول معاشرہ سے ہٹ کٹ کر زندگی گزارے۔ نہیں بلکہ اسی ماحول میں رہتے ہوئے زندگی گزارے مگر دل اللہ رب العزت کی محبت میں سرشار ہو۔ حضرت مرشد عالمؒ ایک عجیب بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی کی طرف جو راستہ جاتا ہے وہ جنگلوں اور غاروں سے ہو کر نہیں جاتا بلکہ انہی گلی کوچوں بازاروں سے ہو کر جاتا ہے۔ اسی ماحول معاشرہ میں رہیں گے اور زندگی کو اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کے مطابق بنائیں گے تو ہمیں اللہ رب العزت کی معرفت نصیب ہو گی۔ گویا رہنا بھی پانی میں ہے اور اپنے پروں کو گیلا بھی نہیں ہونے دینا۔ کسی شاعر نے کہا، اے مخاطب! تو مرغابی سے سبق سیکھ کہ وہ پانی میں تو بیٹھتی ہے مگر اس کے پر پانی سے گیلے نہیں ہوتے، خشک ہی رہتے ہیں۔ لہذا جب اسے پرواز کرنا ہوتی ہے تو وہ ایک ہی لمحہ میں پرواز کر جاتی ہے اور جس مرغابی کے پر گیلے ہو جائیں اس میں پرواز کے وقت اڑنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ شکار کرنے والے لوگ مرغابی کے بارے میں اس بات کو جانتے ہیں۔ مومن بھی اسی طرح دنیا میں رہے مگر اپنے آپ کو دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھے۔

دنیا کسے کہتے ہیں ؟

یاد رکھئے کہ مال و دولت کا نام دنیا نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو اللہ رب العزت سے غافل کر دے اس کا نام دنیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

مال، پیسے، بیوی، بچوں کا نام دنیا نہیں، دنیا تو رب العزت سے غافل ہونے کا نام ہے۔ انسان دنیا میں اس طرح زندگی گزارے کہ غفلت دل سے نکل جائے اور انسان اللہ کا طلب گار رہے۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

دنیا بھی عجیب ہے۔ حَلَالُهَا حِسَابٌ وَ حَرَامُهَا وَبَالٌ اس کا حلال ہو تو حساب دینا ہوگا اور اگر حرام ہو تو وہ انسان کیلئے وبال ہے۔

دنیا کی طلب کون کرتا ہے؟

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اَلدُّنْیَا دَارٌ مَنْ لاَ دَارَ لَهُ وَ مَالٌ مَنْ لاَ مَالَ لَهُ وَ لَهَا یَجْمَعُ مَنْ لاَعَقْلَ لَهُ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں، دنیا اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اور دنیا کو وہ جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہیں ہوتی۔ اصل چیز تو آخرت ہے۔ اسی لئے فرمایا اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَ طَالِبُهَا کِلاَبٌ کہ دنیا ایک مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہے۔

ہے لگا دنیا کا میلہ چار دن
دیکھ لو اس کا تماشا چار دن
کیا کرو گے قصر عالی شان کو
جبکہ ہے اس میں ٹھکانہ چار دن

اجتماع سالکین کا بنیادی مقصد:

اجتماع سالکین کا بنیادی مقصد ایسی ہی چیزوں کی یاد دہانی ہے۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید فرماتے تھے کہ جب میرے دل میں سختی آتی تھی تو میں محمد بن واسع ؒ کا چہرہ دیکھ لیا کرتا تھا اور میری دل کی گرہ کھل جایا کرتی تھی۔ گویا دل پر جو زنگ لگ جاتا ہے اس کا علاج ایسی محافل میں وقت گزارنے سے ہوتا ہے۔

ایمان کی کشتی کیسے ڈوبتی ہے؟

اگرچہ مال انسان کے ایمان کیلئے ڈھال ہے، جیسا کہ فرمایا کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک پہنچادے، مگر مال کی محبت دل میں نہیں ہونی چاہئے۔ جیسے ایک کشتی اگر پانی میں ہو تو چل سکتی ہے اگر پانی نہ ہو تو کشتی ریت پر تو نہیں چلے گی۔ مگر جس طرح پانی کشتی کے اندر بھر جائے تو وہ کشتی کے ڈوبنے کا سبب بن جاتا ہے اسی طرح زندگی گزارنے کیلئے مال ہو تو سہی، ہاتھ میں ہو یا جیب میں ہو، اگر ہاتھ اور جیب سے بڑھ کر یہ دل میں پہنچ جائے تو انسان کے ایمان والی کشتی کے ڈوبنے کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی دنیا سے بے رغبتی:

بعض ایسے بزرگ گزرے ہیں کہ جن کے پاس مال آتا تھا تو انہیں خوشی نہیں ہوتی تھی اور جاتا تھا تو اس کا غم نہیں ہوتا تھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کا سامان تجارت ایک جہاز میں آیا۔ کسی نے آکر بتایا کہ حضرت! اطلاع ملی ہے کہ وہ جہاز ڈوب گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا، الحمد للہ۔ تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی کہ حضرت! وہ جہاز بچ کر کنارے لگ گیا

ہے۔ حضرت نے فرمایا، الحمد للہ۔ ایک آدمی پوچھنے لگا' حضرت ! ڈوبنے کی اطلاع ملی تو بھی الحمد للہ اور بچنے کی اطلاع ملی تو بھی الحمد للہ ؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ جب ڈوبنے کی اطلاع ملی تو میں نے اپنے دل میں جھانکا تو اس میں اس کا غم نہیں تھا، اس لئے میں نے کہا الحمد للہ، اور جب بچنے کی اطلاع ملی تو میں نے دل میں جھانکا تو اس میں خوشی نہیں تھی، چنانچہ میں نے کہا الحمد للہ۔

عوام الناس کیلئے ایک خاص رعایت :

یہ کیفیات تو بڑے کاملین کی ہوتی ہیں۔ عوام الناس کی کیفیت چاہے وہ کتنے ہی نیک ہوں یہ نہیں ہو سکتی۔ ان کیلئے تو یہ مقصود ہو کہ اگر چہ مال پیسہ کے آنے سے وہ خوش ہو اور جانے کا اسے غم ہو مگر اس پر اللہ کی محبت غالب ہو ۔ یعنی جب اللہ کا معاملہ آئے تو انسان مال کو لات مار دے۔

حضرت اقدس تھانویؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے مال کی محبت سے منع نہیں کیا بلکہ مال کی احبیت سے منع فرمایا ہے۔ اسی لئے فرمایا :**قُلْ اِنْ كَانَ آبَائُكُمْ وَ اَبْنَائُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَاوَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا** ان تمام چیزوں کے بارے میں فرمایا **اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ** اگر یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر یہ نقصان دہ ہیں۔

دنیا کو ذلیل کر کے دل سے نکالنے کا طریقہ :

جب انسان ذکر کرتا ہے تو دل میں محبت الہی پیدا ہوتی ہے اور دنیا کی محبت نکل جاتی ہے۔ جب حضرت سلیمانؑ کا پیغام ملکہ بلقیس کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے امراء سے مشورہ کیا کہ ہم کیا کریں۔ بعض نے کہا آپ ان سے جنگ کریں ہم آپ کا ساتھ

دیں گے۔ مگر اس نے کہا، اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَآ دَخَلُوْا قَرْیَۃً جب بادشاہ کسی قریہ میں داخل ہوتے ہیں تو اَفْسَدُوْھَا تو وہ اس میں فساد مچا دیتے ہیں وَجَعَلُوْآ اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً اور وہ وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر کے نکال دیتے ہیں۔

اس پر مفسرین نے ایک تمثیل لکھی ہے کہ اگر قریہ سے مراد دل کی بستی لے لی جائے اور ملوک سے مراد مالک الملک کا نام اور اس کی محبت لے لی جائے تو تمثیل یوں بنے گی کہ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَآ دَخَلُوْا قَرْیَۃً کہ جب اللہ کا نام دل کی بستی میں داخل ہوتا ہے اَفْسَدُوْھَا تو اس میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ وَجَعَلُوْآ اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً اور دنیا جو اس کے دل میں معزز ہوتی ہے یہ اس کو ذلیل کر کے باہر نکال دیتا ہے۔ ذکر اللہ کی کثرت کے لئے بار بار اصرار کیا جاتا ہے کہ یہ انسان کے دل میں دنیا سے بے رغبتی پیدا کر دیتی ہے۔ اسی لئے فرمایا وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا اللہ کے نام کا ذکر کر اور اس کی طرف تبتل اختیار کر۔ تبتل کہتے ہیں دنیا سے کٹنے اور اللہ سے جڑنے کو، سو اس کے لئے ذکر کی کثرت بنیادی چیز ہے۔

دنیا کی محبت کا عملی زندگی پر اثر :۔

انقطاع عن الدنیا (دنیا سے بے رغبتی) جب تک نہ ہو اعمال کے اثرات نہیں ہوتے۔ جس آدمی کے دل میں دنیا کی محبت نہیں اس کے تھوڑے اعمال پر بھی زیادہ اثرات مرتب ہوں گے اور جس آدمی کے دل میں دنیا کی محبت ہے اس کے زیادہ اعمال پر بھی تھوڑے اثرات مرتب ہوں گے۔

صحابہ کرامؓ کی سب سے بڑی کرامت :۔

جن کی زندگی میں نیکی اور تقویٰ ہو اور مشائخ کی صحبت میں زندگی گزاری ہو تو ان پر بھی اللہ کا رنگ ایسا چڑھ جاتا ہے کہ پھر دنیا ان پر اثر نہیں کرتی۔ دیکھیں کہ صحابہ

کرامؓ کیسے دنیا سے بے رغبتی کی زندگی گزارنے والے تھے۔ بعض لوگوں کو سانپ کا منتر آتا ہے۔وہ سانپ کو پکڑ بھی لیں تو سانپ انہیں نقصان نہیں دیتا۔ صحابہ کرامؓ کو بھی دنیا کا منتر آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب قیصر وکسرای کے تخت و تاج ان کے قدموں میں آئے تو سونے چاندی کے ڈھیر لگ گئے تھے مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ سیدنا علیؓ نے محراب میں کھڑے ہو کر فرمایا یَاصَفْرَآءُ یَا بَیْضَآءُ غُرِّیْ غَیْرِیْ،اے سونا!اے چاندی! میرے غیر کو دھوکا دے میں تیرے دھوکے میں آنے والا نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ایک ہی دن میں بارہ ہزار درہم خیرات کر دیئے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی کرامات میں سے بڑی کرامت، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا لشکر سمیت دریا میں سے پار ہو جانا ہے۔ مگر علماء نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی اس سے بھی بڑی کرامت یہ ہے کہ جب ان کے قدموں میں سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور دنیا کا دریا بہہ رہا تھا اس وقت وہ اپنے ایمان کی کشتی کو اس دریا میں سے سلامت بچا کر لے گئے۔

دنیا اور آخرت دو بہنیں ہیں :-

بعض مشائخ کہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی سوکنیں ہیں یعنی ایک کو راضی کرے تو دوسری ناراض، مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دو بہنیں ہیں جو ایک آدمی کے نکاح میں جمع ہو ہی نہیں سکتیں، ایک سے نکاح کریں گے تو دوسری حرام ہو جائے گی۔

سونے کی بدبو :-

حضرت قاسم نانوتویؒ فرماتے تھے کہ اگر سونے کو ہاتھ میں تھوڑی دیر کیلئے

رکھیں تو ہاتھ سے بدبو آنے لگتی ہے۔ میرے دوستو! اگر ہاتھ میں سونے کی وجہ سے بدبو آسکتی ہے تو اگر سونا دل میں ہو تو کیا اس دل سے بدبو نہیں آئے گی۔

حضرت علیؓ کا لوگوں سے خطاب :

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت علیؓ ایک دفعہ لوگوں سے خطاب کرتے یوں فرمانے لگے کہ :

اِرْتَحَلَتِ الدُّنْیَا مُدْبِرَۃً وَ ارْتَحَلَتِ الْاٰخِرَۃُ مُقْبِلَۃً وَ لِکُلِّ وَاحِدَۃٍ مِنْھَا بَنُوْنٌ فَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَۃِ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْیَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ وَ غَداً حِسَابٌ وَلَا عَمَلَ

”دنیا روز بروز منہ پھیرتی جارہی ہے اور آخرت روز بروز قریب آتی جارہی ہے اور دنیا و آخرت میں سے ہر ایک کی مستقل اولاد ہے۔ تم دنیا کی اولاد نہ ہو بلکہ آخرت کی اولاد ہو۔ آج کے دن عمل کر لو مگر حساب نہ ہوگا اور کل کے دن حساب ہوگا مگر عمل کی مہلت نہ ملے گی“

ہاروت و ماروت سے بڑی جادوگرنی :

حدیث پاک میں فرمایا گیا اَلدُّنْیَا اَسْحَرُ مِنْ ھَارُوْتِ وَ مَارُوْتَ دنیا ہاروت اور ماروت سے بھی بڑی جادوگرنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کَانَ سِحْرُ ھَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ یُفَرِّقُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِہٖ کہ ہاروت اور ماروت جو جادو لائے تھے وہ جادو، میاں اور بیوی کے درمیان جدائی کرا دیتا تھا اور دنیا ایسی جادوگرنی ہے جو بندے اور پروردگار کے درمیان جدائی کرا دیتی ہے۔

دنیاداروں کی تعظیم کے نقصانات :-

دنیادار لوگوں کی تعظیم ایک عظیم ابتلاء ہے۔ فرمایا گیا کہ نِعْمَ الْاَمِيْرُ عَلٰى بَابِ الْفَقِيْرِ وَ بِئْسَ الْفَقِيْرُ عَلٰى بَابِ الْاَمِيْرِ اگر کوئی دنیادار آدمی اللہ والوں کے دروازے پر آتا ہے تو یہ انتہائی قابلِ تحسین بات ہے، وہ دنیادار بھی اللہ کے نزدیک عزت والا بن جایا کرتا ہے اور جو فقراء کا لباس پہن کر دنیاداروں کے سامنے اپنی حاجات لے کر جاتا ہے وہ انتہائی ناپسندیدہ شخص ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے کسی امیر آدمی کے سامنے اس کی دولت کی وجہ سے تواضع کی اس کا دو حصے دین برباد ہو گیا۔

اکرام اور تواضع میں فرق :-

یہاں ایک بات سمجھ لیجئے کہ اکرام اور تواضع میں فرق ہے۔ اکرام کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے اور تواضع کا تعلق دل سے ہے۔ اگر دنیادار کا اکرام دل سے کرے ظاہر سے نہیں تو دو حصے دین رخصت ہو جائے گا۔ اسی لئے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ "مکتوبات شریف" میں فرماتے ہیں کہ دنیادار لوگوں کی صحبت سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، ان کا کھانا کھانے سے بھی بچو کیونکہ ان کا مرغن لقمہ بھی قلبی امراض میں اضافہ کر دیتا ہے، ان سے محبت بھی نہ کرو، حتیٰ کہ ان کو دیکھنے سے بھی بچو۔

حضرت سفیان ثوریؒ اور انکے ساتھیوں کا زہد :

حضرت سفیان ثوریؒ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ کسی جگہ حدیث سیکھنے کیلئے گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے سوچا کہ استاد کے پاس رہائش کا انتظام نہیں ہے۔ چنانچہ

ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ اپنے استاد کے پاس روزانہ جاتے اور سبق پڑھ کر واپس آجاتے۔ ان کے پاس سفر کیلئے جو سامان تھا وہ چند دنوں کے بعد ختم ہو گیا اور فاقہ شروع ہو گیا۔ تینوں دوستوں نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے دو آدمی تو پڑھنے چلے جایا کریں اور ایک آدمی مزدوری کیلئے جایا کرے، وہ مزدوری سے جو کما کر لائے گا وہ سب مل کر کھالیا کریں گے۔

چنانچہ دو آدمی پڑھنے چلے گئے۔ تیسرا آدمی مزدوری کرنے کیلئے چل پڑا اس نے سوچا کہ جب مزدوری ہی کرنی ہے تو بڑے کی مزدوری کیوں نہ کروں۔ چنانچہ مسجد میں آئے، دو رکعت کی نیت باندھی، نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگنے لگ گئے، پھر تلاوت کی، پھر دعا مانگتے رہے، رکوع و سجود میں خوب گڑگڑاتے رہے۔ حتیٰ کہ وقت ختم ہو گیا۔ شام کو واپس آگئے۔ دوستوں نے کہا، سناؤ بھائی! کچھ لائے؟ کہنے لگے، میں نے بڑے کی مزدوری کی ہے وہ مزدوری پوری پوری دیتا ہے، وہ مجھے ضرور مزدوری دے گا۔ اس دن تو فاقہ ہو گیا۔

اگلے دن دوسرے کی باری آئی۔ دو تو سبق پڑھنے چلے گئے اور تیسرے کے دل میں بھی یہی بات آئی کہ جب مزدوری ہی کرنی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی مزدوری کیوں نہ کروں۔ اس نے بھی وہی کام کیے جو پہلے نے کیے تھے۔ شام کو واپس آئے تو ساتھیوں نے پوچھا، کیا بنا؟ کہنے لگا' میں نے ایسے مالک کی مزدوری کی ہے جو اپنے غلاموں کا بڑا ہی خیال رکھنے والا ہے اور مجھے امید ہے کہ مجھے پورا پورا بدلہ دے گا۔ اس طرح دوسرا دن بھی فاقہ میں گزر گیا۔

اگلے دن تیسرے آدمی نے بھی یہی معاملہ کیا۔ اس نے بھی سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ نے دینا ہے تو پھر اسی سے مانگتے ہیں، اس کے وعدے تو سچے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی

تیسرے دن عبادت کرتا رہا اور شام کو خالی ہاتھ واپس آگیا اور فاقہ ہی رہا۔

وقت کا بادشاہ رات کو سویا ہوا تھا۔ اچانک اس نے ایک آواز سنی اور اٹھ بیٹھا۔ اس نے دیکھا کہ محل کی چھت پر سے کوئی نیچے اتر رہا ہے۔ حیران ہوا کہ میرے محل کی چھت پر رات کے وقت کون ہے۔ جب غور سے دیکھا تو وہ عجیب شکل کی بلا تھی۔ اس نے اپنا پنجہ سیدھا کیا ہوا تھا۔ بادشاہ کے قریب پہنچ کر اس بلا نے کہا کہ سفیان ثوریؒ اور اس کے ساتھیوں کا خیال کرو ورنہ تمہیں تھپڑ لگے گا۔ پھر اس بلاء نے اپنے پنجے کو سمیٹا اور واپس چلی گئی۔

بادشاہ کے تو پسینے کی وجہ سے سب کپڑے بھیگ گئے۔ اس نے اٹھ کر شور مچا دیا کہ پتہ کرو کہ سفیان ثوری کون ہے۔ سبحان اللہ اگر کسی عام بندے کی نوکری کرتے تو کچھ تھوڑا سا مل جاتا مگر پوری حکومت اس طرح حرکت میں نہ آتی۔ انہوں نے چونکہ بڑے کی نوکری کی تھی اس لئے اس کی مخلوق اسی وقت اس کے حکم کی تعمیل میں لگ گئی۔ بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ تم کچھ ہیرے، چاندی اور دینار بھی لے جاؤ، وہ جہاں ملیں وہاں ان کو دے دینا اور اس کے بعد بڑے اکرام سے میرے پاس لے کر آجانا۔ پوری مملکت ڈھونڈتی پھرتی تھی کہ سفیان ثوریؒ کہاں، سفیان ثوری کہاں۔ حتیٰ کہ ایک آدمی مدرسہ میں پہنچا۔ کہنے لگا، بادشاہ سلامت کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے۔ ان تینوں دوستوں نے کہا کہ جس مالک سے ہم نے مانگا تھا اس نے دینے کیلئے اپنے بندوں کو ہمارے پیچھے بھیج دیا ہے۔ اب ان بندوں کے پاس چل کر جانا ہماری غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ ہمارا پروردگار اس بات پر قادر ہے کہ ہم اگر سبحان اللہ پڑھ لیں تو وہ ہماری بھوک اور پیاس کو دور کر دے گا۔ چنانچہ جتنے دن باقی رہنا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی بھوک اور پیاس کو دور کر دیتا تھا۔

دنیا کا مال پیسہ ملا مگر انہوں نے ٹھکرا دیا۔ کیونکہ اللہ والوں کو یہ ٹھیکریاں نظر آتی ہیں۔ ہمارے لئے چونکہ یہ ہیرے اور موتی ہوتے ہیں اس لئے ہماری آنکھیں ان کو دیکھ کر چندھیا جاتی ہیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا زہد :

ہمارے سلسلہ ء عالیہ نقشبندیہ کے ایک شیخ مرزا مظہر جان جاناںؒ کو وقت کے گورنر نے پیغام بھیجا کہ حضرت! آپ تشریف لائیے۔ آپ کی خانقاہ میں دور دراز سے لوگ فائدہ اٹھانے کے لئے آتے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کیلئے زمین کا ایک بڑا ٹکڑا مختص کر دیا جائے۔ حضرتؒ نے جواب بھجوایا کہ کہ اللہ رب العزت نے اس دنیا کو قلیل فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی متاع قلیل ہے۔ جس پوری دنیا کو اللہ تعالی نے قلیل کہا، اس قلیل میں سے تھوڑا سا حصہ آپ کے اختیار میں ہے۔ اس تھوڑے سے حصہ میں سے آپ تھوڑا سا حصہ مجھے دینا چاہتے ہیں تو اتنا تھوڑا لیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا زہد :

ایک مرتبہ حاکم وقت نے شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے نام ایک رقعہ لکھا کہ آپ لوگوں کو اللہ اللہ سکھاتے ہیں اور دور دراز سے آکر لوگ آپ سے فیضیاب ہوتے ہیں اس لئے میں نے خوش ہو کر آپ کو علاقہ نیمروز کا گورنر بنا دیا ہے۔ حضرتؒ نے اسی رقعہ کی پشت پر اس کا ایسا جواب لکھ کر واپس بھیجا جو سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا، جب سے مجھے نیم شب کی حکمرانی ملی ہے تب سے میری نظروں میں نیمروز کی حکمرانی مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔ سبحان اللہ۔

امام شافعیؒ کا فتویٰ :

امام شافعیؒ نے فتویٰ دیا کہ اگر کوئی آدمی وصیت کر جائے کہ میرے مرنے کے بعد میری جائیداد اس بندے کو دی جائے جو انسانوں میں سب سے زیادہ عقلمند ہو تو میں فتویٰ دیتا ہوں کہ زاہد انسان دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند انسان ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے اس کی جائیداد کا وارث بنا دیا جائے کیونکہ اس نے دنیا کی حقیقت کو دیکھ لیا ہوتا ہے اور اس کے دل سے دنیا کی محبت نکل چکی ہوتی ہے۔

ایک فقیر کی دنیا سے بے رغبتی :

ایک بادشاہ کہیں جا رہا تھا اس نے دیکھا کہ راستے میں ایک فقیر لیٹا ہوا ہے۔ اور اس نے بادشاہ کی طرف پاؤں پھیلائے ہوئے ہیں۔ بادشاہ حیران ہوا کہ ساری دنیا میری جی حضوری کرنے والی ہے اور یہ عجیب آدمی ہے کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے اور میری طرف پاؤں پسارے سویا ہوا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک آدمی سے کہا کہ اس کو کچھ پیسے دے دو۔ جب اس کے نوکر نے پیسے آگے بڑھائے تو فقیر کہنے لگا، بادشاہ سلامت! جب سے میں نے آپ کی طرف سے ہاتھ ہٹائے ہیں تب سے میں نے آپ کی طرف پاؤں پھیلائے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ، یہ ہیں زاہد لوگ جن کے دلوں میں دنیا کی محبت نہیں ہوتی۔

دنیا ایک دن کی ہے :

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْھَا صَوْمٌ کہ دنیا ایک دن کی ہے اور ہم نے اس ایک دن میں روزہ رکھا ہوا ہے۔ تو مومن اس دنیا میں روزہ دار کی مانند ہے جو کہ حدود و قیود میں زندگی گزارتا ہے۔ عیش و آرام کی جگہ آخرت ہے۔

دنیا میں مرتے دم تک انسان کو سنت وشریعت کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آخرت میں بھی انسان کو یہ زندگی ایک خواب کی مانند نظر آئے گی اِلاَّ عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا کہ گویا ہم ایک پہر یا اس کا کچھ حصہ دنیا میں زندگی گزار آئے ہیں۔

خواجہ احمد سعیدؒ کی دنیا سے بے رغبتی:

خواجہ احمد سعیدؒ ہمارے سلسلہء عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ ہیں۔ آپ حضرت ابو سعیدؒ کے بیٹے اور شاہ عبدالغنیؒ کے بھائی ہیں۔ شاہ عبدالغنیؒ وہ محدث ہیں جو حضرت قاسم نانوتویؒ وغیرہ کے استاد کہے جاتے ہیں۔ جن کا فیض آج دارالعلوم دیوبند کی وجہ سے پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔

انگریز کے دور حکومت میں خواجہ احمد سعیدؒ اور شاہ عبدالغنیؒ یہاں سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ کم وبیش سو آدمیوں کا قافلہ تھا۔ وہاں گئے تو بہت تنگی تھی۔ کسمپرسی کی حالت بنی ہوئی تھی، فاقے آرہے تھے، عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے۔ اس دوران میں شاہ عبدالغنیؒ جو علم کے آفتاب اور ماہتاب تھے ان کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ہم یہاں کے مقامی لوگوں سے رابطہ کریں اور ان کو اپنی حالت بتائیں تاکہ بچوں کیلئے کچھ انتظام ہو سکے۔ انہوں نے آکر بھائی شاہ احمد سعیدؒ سے کہا کہ میرے دل میں اس طرح کا خیال آیا ہے۔ حضرت شاہ احمد سعیدؒ نے عجیب جواب دیا۔ فرمایا، میری حالت ایسے ہے کہ جیسے ایک روزہ دار نے روزہ رکھا ہوا ہے اور اس کے افطار کرنے میں چند منٹ باقی ہیں۔ کیا آپ ایسے آدمی کو کسی وجہ سے روزہ توڑنے کا حکم دیں گے یا روزہ مکمل کرنے کا حکم دیں گے۔ چونکہ عالم تھے اس لئے علمی انداز میں بات کہی۔ وہ کہنے لگے کہ اگر اتنا تھوڑا سا وقت باقی ہے تو روزہ مکمل کرنے کا

مشورہ دیا جائے گا۔ فرمایا' میرا یہی حال ہے کہ میں اس دنیا میں روزہ دار ہوں' اب افطار کا وقت قریب ہے اور میں اب اپنی دنیا کا روزہ توڑنا نہیں چاہتا۔

رزق کی فکر :

آپ سوچیں گے کہ اس طرح زہد اختیار کرنے والے کہاں سے کھاتے ہوں گے۔ جی ہاں' جس کے دل میں دنیا کی حقیقت بیٹھ جاتی ہے اسے پھر زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی آجاتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھی بعد میں امام صاحب نے حضرت سے پوچھا' سنایئے جی! روٹی کھانے کیلئے کیا کام کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا' پہلے میں اپنی نماز لوٹالوں پھر میں تجھے جواب دوں گا۔ اس نے پھر کہا' کیا مطلب؟ فرمایا' تم امام بن گئے ہو اور تمہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ اللہ تعالی میرا رازق ہے۔ کہنے لگا' حضرت! کچھ تفصیل تو بتائیں۔ حضرتؒ نے فرمایا' جس دن سے یہ آیت قرآن میں پڑھی وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ کہ رزق تو تمہارا آسمانوں میں ہے، اس کے بعد سر سے رزق کا غم اتر گیا۔

میرے دوستو! اللہ کو منا کر رکھیں۔ پھر دیکھنا کہ اللہ تعالی رزق کی فراوانی کر دے گا۔ اس رزق میں بیوی' بچے' گھربار' یہ بہاریں' سکون اور تمام ضروریات زندگی شامل ہیں۔ اور ہماری یہ حالت ہے کہ رزق کے پیچھے مارے مارے پھر رہے ہوتے ہیں۔

لمحہء فکریہ :

آج ایسا وقت آچکا ہے کہ اندازاً سو میں سے کم و بیش نوے آدمی اگر مشائخ کے پاس آتے ہیں کہیں نہ کہیں ان کے دلوں میں دنیا چھپی ہوتی ہے۔ کوئی دم کروانے آگیا' کوئی تعویذ لینے آگیا' کوئی دعا کروانے آگیا۔ اگر ان دعاؤں کے پیچھے دیکھیں تو

کسی کا کاروبار ہوگا، کسی کا گھر بار ہوگا اور کسی کا کوئی اور معاملہ پھنسا ہوا ہوگا۔ بلکہ ہر آنے والا آجکل کا سالک چار باتیں کرتا ہے۔ پہلی مرتبہ تو یہ بات کرتا ہے کہ حضرت! میں نے بڑے مشائخ ڈھونڈے مگر آپ میرے پیرو مرشد ہیں' میرے اوپر توجہ فرمادیجئے ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔ دوسری بات یہ کرتا ہے کہ حضرت! کاروبار بھی آج کل ٹھیک نہیں ہے اس کیلئے پڑھنے کیلئے کچھ فرمادیں ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔ تیسری بات یہ کہ حضرت! گھر میں بھی کچھ چپقلش رہتی ہے اس کیلئے بھی کوئی نقش دے دیجئے ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔ اور آخری بات یہ کرتا ہے کہ حضرت! کیا کروں مراقبہ نہیں ہو سکتا' آپ ہی کچھ توجہ فرمادیجئے ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔

جب کم ہمتی کا یہ حال ہو جائے تو ذرا سوچئے کہ انسان باطنی مدارج کو کیسے طے کرے گا۔ یہ راستہ تو بلند ہمتی، محنت اور مجاہدہ چاہتا ہے۔ صوفی تو من کا سچا اور دھن کا پکا ہوتا ہے۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں جس شخص کو دھن اور دھیان نصیب ہو جائے وہ خوش قسمت انسان ہوتا ہے۔ یعنی مقصد کے حاصل کرنے کی اس میں دھن ہو اور وہ پورے دھیان سے اس کام میں لگا ہوا ہو۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی' اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِoقُلْ
هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوْ
لْاَلْبَابoسُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَo وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

دو عظیم نعمتیں:

نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں دو نعمتیں لے کر آئے۔ ایک روشن کتاب اور دوسری روشن دل' ایک چمکتا ہوا علم اور دوسرا دمکتے ہوئے اخلاق' ایک علم کامل اور دوسرا عمل کامل۔ قرآن پاک کی وہ آیت جس میں اللہ رب العزت نے انعام یافتہ بندوں کا تذکرہ کیا اس میں فرمایا گیا مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ(انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین میں سے)۔ اس آیت مبارکہ کی رو سے انبیاء اور صدیقین کی نسبت علم کے ساتھ مضبوط تر ہوتی ہے جبکہ شہداء اور صالحین کی نسبت عمل کے ساتھ مضبوط تر ہوتی ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ کائنات کی تمام سعادتیں اللہ رب العزت نے علم و عمل میں رکھ دی ہیں۔

دور حاضر میں علم و عمل کی تنزلی:

آجکل علم و عمل کی تنزلی کا دور ہے۔ جو مسلمان نماز پڑھ لے وہ اپنے آپ کو

دیندار سمجھتا ہے' جو تہجد پڑھ لے وہ جنید بغدادی' جو حج کرلے وہ اپنے آپ کو اسلام کا ٹھیکیدار اور جو زکوۃ ادا کرے وہ گویا اسلام کی رجسٹری کروالیتا ہے۔ ہم خواہشات کے پجاری بن چکے ہیں۔ آج کے دور کا ایک عام ابتلاء ہے کہ یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِیَ قَارُوْنَ (اے کاش! ہمیں اتنا ملتا جتنا قارون کو ملا)۔ اقتصادیات نے ہمیں اتنا پریشان کر رکھا ہے کہ جو جس درجے میں ہے آپ اس کی زبان سے شکر کے الفاظ بہت کم سنیں گے۔ ناشکری کے کلمے اکثر آپ کے کانوں میں پڑتے رہیں گے۔

دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے دوڑ لگ چکی ہے۔ آج ہم نے اپنی اولادوں کو ایسی تعلیم حاصل کرنے کیلئے سکولوں کی بھٹی میں جھونک دیا ہے جس سے وہ بڑے ہو کر چار پیسے کمائیں گے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ صبح کے وقت ہزاروں کی تعداد میں بچے اور بچیاں اپنے گھروں سے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہم عصری علوم کا حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور یہ بات جانتے ہیں کہ اس کے بغیر ان کو روزی کے حصول میں دقت ہوگی۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر ہماری اولادوں کو اس سے پہلے ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے جسے اللہ کا دین کہتے ہیں۔ اگر یہ اولاد دین دار نہ بنی اور دنیا میں مزے بھی کرتی رہی تو پھر کس کام کی۔ اگر اس نے اللہ کے حکموں کو نہ جانا نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کو نہ مانا اور دین سے بے بہرہ رہ کر زندگی گزاری تو ماں باپ کے لئے دنیا اور آخرت کا بوجھ بنے گی۔

ایک غلط فہمی کی بنیاد :

عجیب بات تو یہ ہے کہ پڑھے لکھے والدین جو دین و دنیا برابر کا نعرہ لگاتے ہیں، وہ اپنی تمام کی تمام اولاد کو عصری علوم پڑھاتے ہیں جبکہ دینی علوم پڑھانے سے گھبراتے

ہیں۔ یہ فقرہ پھر ذہن نشین کر لیجئے ''پڑھے لکھے والدین اپنی اولادوں کو مروجہ علوم تو پڑھاتے ہیں مگر انہیں دینی علوم پڑھانے سے گھبراتے ہیں'' وہ سمجھتے ہیں کہ شاید کوئی انوکھے انسان بن جائیں گے اور وہ ایسے اعمال اپنائیں گے جو آج کے دور میں قابل عمل نہیں۔ ان انگریزی پڑھے لکھے بچوں اور بچیوں کا دین کے بارے میں یہ ذہن بنتا چلا جارہا ہے کہ یہ چودہ سو سال پہلے کی ایک پرانی چیز ہے جبکہ آج نیا دور ہے' نیا زمانہ ہے اور سائنسی تحقیقات ہو چکی ہیں اس لئے معاشرہ بھی نیا ہونا چاہئے۔ یہی غلط فہمی کی بنیاد ہے۔

دینی علوم ابدی ہیں :

چودہ سو سال پہلے امن وسکون کی زندگی گزارنے کیلئے جو اصول وضوابط بنائے گئے تھے وہ قیامت تک باقی رہیں گے۔ وہ دنیا کی صداقتیں ہیں، کائنات کی حقیقتیں ہیں، وہ سچائیوں سے بھری ہوئی باتیں ہیں۔ ہر دور اور ہر زمانے میں وہ سچی ثابت ہوں گی۔ انسانیت جب بھی ان سے روگردانی کرے گی وہ ٹھوکریں کھائے گی، ذلتیں اٹھائے گی اور بالآخر ہانپتی کانپتی اسی دروازے پر آئے گی۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

عصری علوم ناقص ہیں :

عام سکولوں اور کالجوں میں ان عصری علوم کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ جبکہ سلیبس میں دینی علوم کی انتہائی کمی ہوتی ہے۔ وہ اس کمی کے باوجود اپنے آپ کو ناقص نہیں سمجھتے بلکہ ان مدارس کے طلباء وعلماء کو ناقص سمجھتے ہیں جو اپنی زندگیوں کو علوم دین حاصل کرنے کیلئے وقف کر چکے ہیں۔ جن کی زندگی صبح وشام اللہ کا قرآن اور نبی

اکرم ﷺ کا فرمان پڑھتے گزر جاتی ہے وہ ان کو کم نظری سے دیکھتے ہیں۔

دنیا سے محبت کا نتیجہ :

کیا ہوا جو ان علوم دین کی وجہ سے چار ٹکے نہیں کمائے جا سکتے۔ کیا رب کی رضا کی کوئی قیمت نہیں ہے ؟ کیا نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں قبولیت کی کوئی قیمت نہیں ہے ؟ ہم اس قدر Money Oriented (زر پرست) ہو چکے ہیں، دنیا ہمارے دماغوں پر اس قدر مسلط ہو چکی ہے کہ جن علوم سے ہمیں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی رضا نصیب ہوتی ہے، دنیا اور آخرت کی سعادتیں نصیب ہوتی ہیں ان علوم کو ہم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جن علوم سے فقط دو وقت کی روٹی ملے گی ان علوم کو ہم بڑی عزت و اکرام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنی پوری زندگی ان کے حصول میں گزار دیتے ہیں۔ کالجوں کے کتنے بچے ہیں جو ماسٹرز کی ڈگری حاصل کر لیتے ہیں، آپ ان سے نماز کے مسائل معلوم کر لیجئے وہ آپ کو دین سے بالکل نابلد اور ناآشنا نظر آئیں گے۔ یہ دنیا سے محبت کا نتیجہ ہے۔

پی ایچ ڈی ڈاکٹر کی زبوں حالی :

ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر صاحب کے والد کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک عالم دین سے کہا کہ آپ نے جنازہ پڑھانا ہے۔ جنازے کے بعد اس پی ایچ ڈی ڈاکٹر نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اسے تسلی دی کہ اس طرح کا صدمہ ہر آدمی کو پیش آتا ہے اس لئے آپ کو بھی صبر کرنا چاہئے۔ مگر وہ مسلسل روتا رہا۔ بالآخر عالم دین نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ اتنا رو رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں اس بات پر نہیں رو رہا کہ والد فوت ہو گئے، ہر ایک کو دنیا سے جانا ہے۔ میں تو اس بات پر رو رہا ہوں کہ میرے اس والد نے مجھے اتنی دنیاوی تعلیم دلوائی کہ میں پی ایچ

ڈی ڈاکٹر بن گیا مگر مجھے دین سے اتنا بے بہرہ رکھا میرے والد کی میت میرے سامنے پڑی تھی اور مجھے نماز جنازہ بھی نہیں آتی تھی۔

دنیاوی سوچ کے تاثرات :

دین سے اس قدر دوری کی بنیادی وجہ کیا ہے ؟ دینی اور سائنسی علوم حاصل کرنے والوں کے درمیان یہ خلیج کیوں پیدا ہو رہی ہے ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلباء میں ایک عام تاثر یہ بنتا جا رہا ہے کہ مدارس والے کچھ نہیں کرتے، دقیانوس ہوتے ہیں، پرانے دماغ کے لوگ ہوتے ہیں، پرانی پرانی کتابیں پڑھتے ہیں۔

اور دوسرا تصور یہ بنتا چلا جا رہا ہے کہ علماء کو سائنسی علوم پڑھنے چاہئیں۔ حالانکہ یہ بات تو اہل علم حضرات کے کہنے کی ہے کہ آج دنیاوی علوم پڑھنے والوں کو دین پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ علماء کی تعداد کو دیکھیں تو آپ کو پوری آبادی میں 5% بھی نظر نہیں آئیں گے۔ جبکہ دنیاوی علوم حاصل کرنے والے 95% ہونگے۔ جو 95% ہیں وہ تو پہلے ہی سو فیصد زندگی ان علوم پر وقف کر چکے ہیں۔ ہم یہ سوچتے ہیں اگر باقی 5% لوگ بھی سائنسی علوم حاصل کر لیتے تو ہماری قوم فلاح پا لیتی اور ہم ترقی یافتہ بن جاتے۔ ہماری یہ سوچ 100% غلط ہے۔ قلب و نظر جب سقیم ہوتے ہیں تو پھر انسان اس قسم کی سوچ سوچتا ہے۔

صحیح نقطہء نظر :

ہمیں اس بات کو دل میں بٹھانے کی ضرورت ہے کہ جو 5 فیصد طلباء قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں وہ اس امت کے محسن ہیں جو ان کی علمی پیاس بجھاتے ہیں۔ جب لوگوں کو مسائل کا جواب پوچھنے کی

ضرورت ہوتی ہے، اس وقت یہی 5 فیصد ہی تو ہوتے ہیں جو ان کے علمی بوجھ کو اپنے سر پر لیتے ہیں، جو ان کو قدم قدم پر بتاتے ہیں کہ تمہیں اللہ کی رضا اس میں ملے گی۔ در حقیقت ہمیں بات اس طرح کرنی چاہئے کہ آج ان سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے جتنے طلباء ہیں جہاں یہ سائنس کے مضامین پڑھتے ہیں وہاں کیا دین کا مضمون نہیں پڑھ سکتے۔ اگر شروع سے آخر تک یہ دین کی تعلیم ساتھ ساتھ پاتے رہیں تو جہاں اچھے سائنس دان بن کر نکلیں گے وہاں اچھے مسلمان بھی بن کر نکل سکتے ہیں۔ ہمارا یہ ذہن قوم کا سرمایہ ہے جس کو آج **Intelegentia of Nation** کہتے ہیں آج سارے کا سارا زور مادے کی تحقیق پر لگ رہا ہے روحانیت پر اس کا کوئی کام نہیں ہو رہا۔ آخرت کیلئے اس پر کوئی محنت نہیں ہو رہی۔

آج کا عنوان :

آج کی اس محفل میں ہمارے سامنے وہ بچے بیٹھے ہیں جنہوں نے حدیث و تفسیر کا علم حاصل کیا یا قرآن پاک حفظ کیا۔ اسی نسبت سے ان بچوں کے ذہنوں میں دینی تعلیم کی اہمیت اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ حق واضح ہو، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو۔ ہمیں پتہ چل جائے کہ جو لوگ دین پڑھ رہے ہیں حقیقت میں وہی انسانیت کے محسن ہیں۔ وہ ایک بلند و بالا مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔

دنیاوی مال کی بے ثباتی :

عصری علوم حاصل کرنے والے دنیا کما کر اپنی دنیاوی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ آخرت کی ضرورتیں تو دنیا کے پیسے سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ اگر انہوں نے مال کما بھی لیا تو اس مال سے وہ زندگی کی ہر ضرورت تو پوری نہیں کر سکتے۔ مال سے آپ عینک تو خرید سکتے ہیں بینائی تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ کتابیں تو خرید سکتے ہیں

علم تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ اپنے لئے نرم بستر تو خرید سکتے ہیں میٹھی نیند تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ اپنے لئے دوائیں تو خرید سکتے ہیں مگر اچھی صحت تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ اچھا لباس تو خرید سکتے ہیں مگر حسن وجمال تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ کسی کی خوشامد تو کر سکتے ہیں مگر دل کی محبت تو نہیں خرید سکتےاور مال سے آپ خضاب تو خرید سکتے ہیں مگر شباب نہیں خرید سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ مال سے ہر کام نہیں ہو سکتا۔

مال اور علم کا موازنہ :

بھلا مال اور علم کا کیا مقابلہ۔ مال کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ گھٹتی چلی جاتی ہے اور علم کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مال کی حفاظت تجھے کرنا پڑتی ہے اور علم تیری حفاظت کیا کرتا ہے۔ مال فرعون وقارون کی میراث ہے اور علم انبیائے کرام کی میراث ہے۔ مال کے بڑھنے سے حاسد بڑھتے ہیں اور علم کے بڑھنے سے معتقدین بڑھتے ہیں۔ مال سے علم حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے جبکہ علم سے مال حاصل کیا جا سکتا ہے۔ روز محشر مال کھانے کا حساب ہوگا علم حاصل کرنے کا حساب نہ ہوگا۔ علم تو آسمان کی مانند ہے دنیا کا مال زمین کی مانند ہے۔ کثرت مال کی وجہ سے فرعون نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کہا اور کثرتِ علم کی وجہ سے پروردگار عالم کے محبوب ﷺ نے کہا مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِك وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكْ کہا۔

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

مقصد زندگی :

ہمارے انگریزی پڑھے لکھے نوجوانوں کو اپنے ذہنوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھا

لینی چاہئے کہ دنیا کا علم حاصل کرنا ہماری زندگی کی ضرورت ہے، زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ مقصد زندگی تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا اور اس کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ یہ چیز دینی علوم کے بغیر آپ کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپ دنیا میں پی ایچ ڈی کر لیں، نوبل پرائز Win (حاصل) کر لیں مگر اللہ کی رضا والے اعمال کرنے کیلئے پھر بھی انہی علماء کی جھونپڑیوں میں آپ کو آنا پڑے گا۔ انہی کی چٹائیوں پر آپ کو دوزانو ہو کر بیٹھنا پڑے گا۔ تب آپ کو یہ علوم حاصل ہوں گے اور اگر آپ یہ سمجھیں کہ ان علوم کے بغیر بھی ہم اچھی زندگی گزار لیں گے کیونکہ ہمیں اچھا کھانا ملتا ہے یا کار کوٹھی بھی موجود ہے تو پھر ہم یہی کہیں گے ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ میاں تمہارے علم کی حد یہیں تک تھی کہ تم نے اپنے آپ کو دنیا کے لئے وقف کر لیا۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ هُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ اسی کو تو بڑا خسارہ کہتے ہیں۔ عقلمند انسان کی پہچان یہی ہے کہ وہ ضرورت کو بقدر ضرورت پورا کیا کرتا ہے مگر مقصد کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ معاشرے کے 95% لوگ جو فقط انگریزی سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ بہت اچھا کر رہے ہیں اور وہ 5% لوگ جو صبح و شام دین کا علم حاصل کر رہے ہیں ان کو بھی سائنس پڑھنے کی ضرورت ہے تو یہ عقلمندی کی بات نہیں ہو گی۔ کیونکہ اگر طلباء کی ساری زندگی سکولوں اور کالجوں میں گزر گئی تو وہ علم و ادب کیسے حاصل کریں گے۔ وہ ان اعمال سے بالکل محروم رہیں گے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا ملتی ہے۔ اسی کو اکبر نے کہا:

انہوں نے دیں کہاں سیکھا بھلا جا جا کے مکتب میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

کتنی زندگیاں ہیں جو سکولوں اور کالجوں کے طواف کرتے گزر جاتی ہیں اور جب

فارغ ہوتے ہیں تو صاحب (افسر) کے دفتر میں زندگی نبھ جاتی ہے۔

قوم کے محسن :-

میرے دوستو! ذرا دوسرے انداز سے بھی دیکھ لیجئے کہ اللہ کے محبوب ﷺ جو علم لے کر آئے کیا اس کی اتنی بھی قیمت نہیں ہے کہ آپ اس کو اہم سمجھیں؟ ہمیں چاہئے کہ ہم آج کے بعد سے یہ کہنا شروع کر دیں کہ وہ 5% جنہوں نے اپنی سو فیصد زندگی علم حاصل کرنے کیلئے وقف کر دی ہے وہی قوم کے محسن ہیں۔ قوم کے سروں پر یہ علمی سایہ ہیں۔ قوم جب ٹھوکریں کھائے گی تو منزل کی نشانی یہی بتائیں گے، جب قوم راستہ بھولے گی تو انگلی پکڑ کر منزل پر یہی پہنچائیں گے، جب قوم ناامید ہونے لگ جائے گی تو ان کو رب کی رحمت کی امید بھی یہی لوگ دلائیں گے۔

علمائے کرام کا فرض منصبی :

اس محفل میں جن علمائے کرام نے آپ کے سامنے اپنے سروں پر دستار فضیلت بندھوائی اور اپنے ہاتھوں میں انعام کے طور پر قرآن مجید کے نسخے اور حدیث کی کتابیں وصول کیں۔ آیئے ذرا جائزہ لیں کہ ان علماء کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

ان چٹائیوں پر بیٹھنے والے، معمولی کپڑے پہننے والے، معمولی کھانوں پر اکتفا کرنے والے، تھوڑی دنیا پر کفایت کرنے والے رہبر و رہنما ہستیوں کی داستان محبت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ رب والے اور احبار جمع ہے حبر کی اور حبر کہتے ہیں بڑے عالم کو۔ تو علماء اور صلحاء دونوں کا اللہ رب العزت قرآن پاک میں تذکرہ فرماتے ہیں اور ان کی ذمہ داریاں ارشاد فرماتے ہیں کہ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت کرتے ہیں۔ گویا ان کا مقصد اور منصب دنیا کے اندر قرآن کی ایک

ایک آیت کے اوپر ڈیرے ڈالنا ہے، نبی اکرم ﷺ کی ایک ایک حدیث کے اوپر جھگیاں ڈال دینا اور ان کی حفاظت کرنا ہے تاکہ ان میں کوئی تبدیلی نہ آسکے اور آنے والی نسل تک دین اسی طرح پہنچے جس طرح انہوں نے اوپر سے پایا۔ اسی لئے تو ان کو وارث انبیاء کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فوج :

آپ سوچتے ہوں گے کہ قرآن پاک کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے پھر علماء پر اس کی حفاظت کی ذمہ داری کیوں لگائی؟ جی ہاں، قرآن پاک کی حفاظت تو پروردگار عالم نے اپنے ذمہ لی ہے لیکن اس نے اپنی فوج تیار کی ہوئی ہے۔ جیسے کوئی بادشاہ یہ کہے کہ میں اس ملک کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ سرحد پر جاکر راتوں کو خود پہرہ دے گا۔ اس مقصد کے لئے وہ ایک فوج بناتا ہے اور اس فوج کا ہر آدمی اس کی نگاہ میں بڑا عزت والا ہوتا ہے، ان کی تنخواہیں اچھی، ان کا لباس اچھا، ان کی صحتیں اچھی، ان کا وقار اعلی، ان کو بادشاہ عزیز رکھتا ہے کیونکہ وہ بڑے مقصد کو پورا کر رہے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب پروردگار نے اس قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا تو اس کیلئے اللہ رب العزت نے بھی اپنے بندوں کی فوج تیار کی، ان کو علماء کہتے ہیں۔ ان کو حفاظ کہتے ہیں۔ علماء نے علم نبوی ﷺ کی حفاظت کا ذمہ خود لیا اور حفاظ نے قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ لہذا دین پوری طرح آج ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کو محفوظ علم کہا جاسکتا ہے۔ قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی اس فوج کو حزب اللہ کہا ہے۔ ان علماء اور صلحاء کو اللہ رب العزت نے خوشخبریاں دیں اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ جان لو کہ اللہ کی جماعت اور اللہ کی فوج ہمیشہ فلاح پاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی جماعت نبی اکرمؐ کے علم و عمل کی محافظ :

صحابہ کرامؓ کی جماعت نبی اکرم ﷺ کے علم و عمل کی وارث تھی۔ اگر ان کی زندگیوں کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایک سنت کے عاشق تھے۔ اس عشق کے رنگ میں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اداؤں کی حفاظت کی۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اداؤں کی اتباع کی۔ یہ اتباع اتنی کامل تھی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو چند واقعات سے ہو جائے گا۔

مثال نمبر 1 :-

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک محفل میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا۔ باہر سے ایک آدمی آیا۔ اس نے دیکھا کہ اس ساری محفل کے سب لوگ ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ لباس ایک جیسے، وضع قطع ایک جیسی، ان کی گفتار ایک جیسی، ان کے چہرے پر اثرات اتنے عجیب اور ایک جیسے تھے کہ وہ پہچان نہ سکا۔ بالآخر اسے پوچھنا پڑا کہ تم میں سے اللہ کے نبی ﷺ کون ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ نقل اصل کے کتنا قریب ہوگی، جنہوں نے اتباع کی وہ تابع اپنے متبوع کے کتنا قریب ہو چکے ہوں گے، کہ باہر سے آنے والوں کو آقا اور غلام کے فرق کا پتہ نہ چلا۔ تابع اور متبوع کے فرق کا اندازہ نہ ہوا۔ حقیقت میں غلام ایسے تھے جو اپنی گفتار میں، رفتار میں، کردار میں، حتی کہ ایک ایک عمل میں آقا ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔

مثال نمبر 2 :

صحابہ کرامؓ نے سنت نبوی ﷺ کی اس قدر اتباع کی کہ ایک مرتبہ حضرت

عبداللہ بن عمرؓ حج کے سفر پر جارہے تھے۔ راستے میں انہوں نے ایک جگہ اپنی سواری کو روک لیا، نیچے اترے اور ایک جگہ پر جاکر تھوڑی دیر بیٹھ گئے۔ پھر واپس آئے اور اپنی سواری کو لے کر چل پڑے۔ رفیق سفر نے پوچھا، جناب یہ سواری کو ٹھہرانے اور وہاں جاکر بیٹھنے کا مقصد کیا تھا؟ کہنے لگے، میں ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر کررہا تھا۔ میرے آقا ﷺ یہاں قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور آگے چل پڑے تھے۔ اب جب میں گزر رہا تھا تو اس جگہ سے میرے قدم آگے نہ بڑھ سکے۔ میرے دل نے چاہا کہ میرے محبوب ﷺ نے یہاں ایک عمل کیا تھا، اگرچہ مجھے اس وقت اس عمل کی حاجت نہیں مگر اپنے آقا ﷺ کے عمل کی اس وقت جتنی اتباع کرسکوں اتنی تو کر کے دکھاؤں۔ میں وہاں اسی طرح جاکر بیٹھا جس طرح میرے آقا ﷺ بیٹھے تھے۔ میں تھوڑی دیر تو رکا مگر مجھے اپنے آقا ﷺ کی ایک سنت پر عمل کی توفیق تو نصیب ہوگئی۔

مثال نمبر 3 :-

ایک صحابیؓ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ رنگ کے کالے اور شکل کے انوکھے تھے۔ ان کے سر کے بال چھوٹے بھی تھے اور گھنگھریالے بھی۔ ان بالوں میں مانگ نہیں نکل سکتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے سر کے درمیان میں مانگ نکالی ہوتی تھی۔ یہ آپ ﷺ کا سر مبارک دیکھتے تو سوچتے کہ وہ سر ہی کس کام کا جو اپنے آقا ﷺ کے مبارک سر سے مشابہت نہ پاسکے۔ ہر وقت یہی تمنا رہتی اور اس کیلئے دعائیں مانگتے رہتے تھے کہ اے اللہ! کبھی ایسا بھی ہو کہ میں کنگھی کروں تو میرے سر کے درمیان سے مانگ نکل آئے اور میرے سر کو میرے آقا ﷺ کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت نصیب ہوجائے۔ اسی غم میں تڑپتے رہتے تھے۔

بالآخر آقا ﷺ کی محبت ایسی غالب آئی کہ ایک دن غسل کر کے نکلے اور آئینے میں چہرہ دیکھا مگر سر کے اوپر سیدھی مانگ نہ نکل سکی۔ دل میں خیال آیا کہ یہ سر بھلا کس کام کا۔ چنانچہ لوہے کی ایک سلاخ پڑی تھی، اسے اٹھالیا۔ گھر میں آگ جل رہی تھی۔ اس آگ میں اس کو گرم کیا۔ اس کے بعد اس کو اپنے سر کے بالکل وسط میں پھیر دیا جس سے جلد بھی جلی بال بھی جلے اور جلنے کی وجہ سے ایک لکیر بن گئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کو اتنی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ فرمایا کہ تکلیف تو مجھے بھول جائے گی مگر میرا سر تو آئندہ میرے محبوب ﷺ کے سر مبارک کے مشابہ بن جائے گا۔

مثال نمبر 4 :-

مشہور روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ فارس تشریف لے گئے۔ دعوت کھانے کے لئے بیٹھے۔ ان سے ایک لقمہ نیچے گر گیا۔ انہوں نے اس لقمہ کو اٹھایا اور صاف کر کے کھالیا۔ بعض لوگوں نے کہا یہاں کے امراء اس عادت کو ناپسند کرتے ہیں، آپ یہ لقمہ اٹھا کر نہ کھاتے۔ فرمانے لگے، ءَ اَتْرُكُ سُنَّتَ حَبِيْبِىْ لِهٰٓؤُلَاۤءِ الْحُمَقَآءِ کیا میں ان احمقوں کی خاطر اپنے آقا اور محبوب ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں۔ سوچئے تو سہی کہ صحابہ کرامؓ نے ایک ایک سنت پر کتنی محبت سے عمل کیا۔ وہ علم کے بھی وارث بنے، عمل کے بھی وارث بنے، احوال کے بھی وارث بنے، آپ ﷺ کی ظاہری اداؤں کے بھی وارث بنے۔ اسی طرح یہ علم صحابہ کرامؓ سے امت تک آگے پہنچا جس طرح میرے آقا ﷺ دنیا میں اس کو دے گئے تھے۔

تابعین اور حفاظت دین :

ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے بھی اس علم و عمل کو اسی طرح آگے پہنچایا

جس طرح انہوں نے اوپر سے پایا تھا۔ حتی کہ اگر حکام نے اس میں اپنی مرضی کے فتوے مانگنے بھی چاہے تو ان علماء نے جانیں تو دے دیں مگر دین کے اندر کسی غیر اسلامی چیز کو شامل نہ ہونے دیا۔ یہی تو وجہ ہے کہ امام اعظمؒ جو دنیا کے امام کہلاتے ہیں، ان کا جنازہ بھی جیل سے نکلا۔ امام احمد بن حنبلؒ کو 100 کوڑے مارے گئے۔ ابن تیمیہؒ کو جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ امام سرخسیؒ کو کنویں میں قید ہونا پڑا۔ امام بخاریؒ کو شہر بدر ہونا پڑا۔ یہ عشق و وفا کی داستانیں اس تھوڑے سے وقت میں کیسے بیان کریں۔ آیئے ہم اپنے قریب کے دور کی بات کرتے ہیں۔

علماء ہند کا شاندار ماضی

علمائے ہند کا دور امت مسلمہ کا شاندار ماضی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہنشاہ جہانگیر سے ٹکر:

یہ دور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے شروع ہوتا ہے۔ وہ ہندوستان کے شہر سرہند میں پیدا ہوئے۔ ان کے دور میں اکبر نے دین نبی ﷺ کو مسخ کر دیا تھا۔ دین الٰہی کے نام سے ایک نیا دین دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا، جو بدعات و رسومات کا ملغوبہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب اکبر کے بیٹے جہانگیر نے اپنی طاقت کے نشے میں آکر علماء کو لکھا کہ مجھے فتویٰ دو کہ بادشاہ کو سجدہء تعظیمی کرنا جائز ہے۔ جب لوگوں کے سامنے جیلوں کے دروازے کھل چکے تھے، جب ان کو دُرّے نظر آ رہے تھے، کھالیں پیٹھ سے اترتی نظر آ رہی تھیں، اس وقت کچھ ربانیین ایسے تھے، کچھ احبار ایسے تھے جنہوں نے جان کی پروا تک نہ کی۔ اس لئے کہ ان کا فرض منصبی دین کی حفاظت تھا۔ انہوں نے کہا:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ سجدہء تعظیمی حرام ہے، قطعاً جائز نہیں۔ اس کلمہء حق کی وجہ سے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ آپ کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔ آپ نے پابند سلاسل رہنا تو قبول کر لیا مگر اس کی غلط بات کے آگے جھکے نہیں کیونکہ ان کو رب کے سوا کسی کے آگے جھکنا نہیں آتا تھا۔ وہ ساری زندگی رب کے سامنے پیشانیاں جھکانے والے بھلا مخلوق کے سامنے کیسے جھک سکتے تھے۔ بالآخر ان کی استقامت کی بدولت اللہ رب العزت نے ایک وقت وہ بھی دکھلایا کہ جب جہانگیر بادشاہ کو جھکنا پڑا۔ سب امیر اس فقیر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، جو آپ کہیں گے آج ہم وہی کریں گے۔ چنانچہ بدعتوں کو ختم کر دیا گیا، رسومات کو چھوڑ دیا گیا۔ اور اس کی جگہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کو رواج دیا گیا۔ اسی وجہ سے ان کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کہتے ہیں۔

خاندان شاہ عبدالرحیمؒ اور حفاظت دین :-

پھر ان کے بعد ایک اور فرد فرید شاہ عبدالرحیمؒ عرب سے آکر انڈیا میں آباد ہوئے۔ آپ اپنے جد امجد کا یہ ورثہ اور نعمت بھی ساتھ لے کر آئے۔ پھر اللہ رب العزت نے ان کو ایک بیٹا دیا جو ولی اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ خاندان ولی اللہی اللہ رب العزت کا چنا ہوا خاندان ثابت ہوا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے دہلی میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کی خدمت کی علوم دینیہ کو دنیا میں عام کیا۔

ایک وقت وہ بھی آیا جب حاکم وقت نے ان کے ساتھ بھی ٹکر لی۔ ان حضرات

نے مصائب و تکالیف تو برداشت کر لیں مگر دین کے اندر کوئی چیز شامل نہ ہونے دی۔ بالآخر شاہ ولی اللہؒ کے آخری عمر میں ہاتھوں کے پہنچے اتروا دیئے گئے، انگلیوں کو توڑ دیا گیا اور دونوں ہاتھوں سے معذور کر دیا گیا۔ جس شخص کے ہاتھوں قرآن و حدیث کی اتنی خدمت ہوئی تھی، طاقت کے نشے میں آکر دنیا کے حکمرانوں نے ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ ان علمائے حق نے قربانیاں تو پیش کر دیں مگر دین کے اندر کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہونے دی اگر اس وقت ان حکمرانوں کا بس چل جاتا تو معلوم نہیں کہ آج دین ہمیں کس حال میں ملتا۔ اگر ان حکمرانوں کے اپنے قلم کی بات ہوتی تو معلوم نہیں کہ ان کا قلم قرآن و حدیث کے حروف کو کس طرح بدل چکا ہوتا۔ یہ رب کریم کی رحمت ہے کہ اس نے دین کی حفاظت وقت کے حکمرانوں کے ذمہ نہیں ڈالی، ورنہ یہ تو پیتل کو سونا بنا کر دکھا دیتے۔ تاریخ کو دیکھو کہ جبہ و دستار نے جن علاقوں کو فتح کیا تھا کوٹ پتلون نے انہی علاقوں کو واپس دے دیا۔

انڈیا میں انگریز کا تسلط :-

ایک وقت وہ بھی آیا جب پاک و ہند میں انگریز نے اپنا تسلط جمایا۔ پھر جب انگریز نے دیکھا کہ میں نے دنیا کا مال و دولت تو سمیٹ لیا اب ان کو علمی وراثت سے بھی محروم کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے اوقاف کی تمام عمارات کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ فقط دہلی کے اندر 600 مدارس بند ہو گئے۔ اس نے کہا کہ میں ان کی گردن دبا دوں گا۔ اس نے کوئی بڑا مدرسہ نہ چلنے دیا۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد :

ان ناگفتہ بہ حالات میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے دیوبند کے ایک غیر معروف مقام پر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اس

دارالعلوم نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔ وہ دارالعلوم اب دنیا کی ایک عظیم یونیورسٹی بن چکا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے سپوت :-

اس یونیورسٹی سے ایسے بڑے بڑے علماء اور مجاہدین نکلے جنہوں نے کہا کہ آزادی ہمارا حق ہے۔ لہذا ہمارا حق ہمیں واپس دیا جائے۔ یہی دارالعلوم ہی تو تھا جس نے امت کو انگریز کی غلامی سے بچایا۔ اگر یہ علماء سینہ تان کر مقابلہ نہ کرتے تو فرنگی تہذیب میں اس قدر چمک اور جاذبیت تھی کہ ہمارے سا ے کے سارے نوجوان اسی رو میں بہہ کر فرنگی تہذیب کے دلدادہ بن جاتے۔ ان کا بیٹھنا اٹھنا کچھ اور ہوتا، ان کی صبح و شام کے لمحات کسی اور انداز سے بسر ہوتے مگر قربان جائیں کہ علمائے دیوبند کے سپوتوں نے ان حالات میں بھی دین کو سینے سے لگائے رکھا اور دنیا کو بتادیا کہ ، ہم نے دین کیلئے زندگیاں قربان کر دی ہیں۔ لہذا ایک ایسا وقت بھی آیا جب انہوں نے انگریز کے خلاف جہاد کیا۔ کہیں شاملی کے میدان میں حافظ ضامن شہیدؒ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہیں، کہیں محمود حسنؒ مالٹا کے اندر جیلوں میں تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ان حضرات کے پاؤں میں زنجیریں ہوتی تھیں مگر ان کی زبان پر اللہ کا قرآن ہوتا تھا۔ یہ جیلوں سے نکلتے تھے تو کوئی تفسیر لکھ کر نکلتا تھا اور کوئی قرآن کا حافظ بن کر نکلتا تھا۔ علمائے ہند کا یہ شاندار ماضی اپنے اندر اتنی وسعتیں سمیٹے ہوئے ہے کہ ایک محفل میں اس کی تفصیل نہیں بتائی جاسکتی۔

ترانہ دارالعلوم دیوبند :

یہی تو ایک عزیز طالب علم پڑھ رہے تھے :

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل
یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے

مسجدیں نوحہ کررہی ہیں :-

آج اندلس کی داستانیں آپ کے سامنے ہیں۔ آج ذرا قرطبہ کی جامع مسجد میں جاکر دیکھ لیجئے۔ ان علماء کی قدر تو آپ کو تب آئے گی جب باہر ملک کے علماء کی حالت زار آپ جاکر دیکھیں گے۔ ان کے ظاہر کو دیکھیں تو آپ کو ان کے چہرے پر سنت نبوی ﷺ نظر نہیں آئے گی۔ معلوم ہوا کہ وہاں کے علماء بھی وہیں کے ماحول میں ڈھل گئے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے اسلاف کو جنھوں نے ہر دور کے اندر ہر فتنے کے سامنے بند باندھا اور سینہ سپر ہوکر مقابلہ کیا۔ مصر اور ترکی جو آج بڑے بڑے اسلامی ملک سمجھے جاتے ہیں ذرا ان کی مساجد کا حال دیکھئے کہ جس مسجد میں 1000 آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں وہاں ظہر عصر کی نمازوں میں مشکل سے تین آدمی بھی پورے نہیں ہوتے۔ وہ مسجدیں آج نوحہ کررہی ہیں۔

انگریزی خواں طبقہ کی زبوں حالی :-

آپ دیکھئے تو سہی کہ ہمارا انگریزی خواں طبقہ دین سے کس قدر نابلد ہے۔ جو

لوگ صبح و شام انگریزی پڑھنے میں مست ہیں ان کو عربی کے دو لفظ پڑھنے نہیں آتے۔ کوئی پی ایچ ڈی ڈاکٹر کبھی آپ کے سامنے اذان دے تو ذرا سنا کیجئے کہ اس کی اذان کتنی عجیب ہوتی ہے۔ کبھی آپ اسے کہہ دیں کہ آپ تو پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں ذرا اقامت تو کہہ دیجئے۔ کہیں گے جی ہمیں تو اقامت کہنا نہیں آتی۔ انہیں نماز پڑھانی نہیں آتی، پڑھنی نہیں آتی، نماز جنازہ کا پتہ نہیں ہوتا کہ کیا ہے' مسائل کا پتہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ دین سے بالکل نابلد ہو کر ان کی زندگی گزر رہی ہوتی ہے۔ اگر ان جیسے لوگوں کے ذمے ہوتا کہ تم نے کمیونزم اور سوشلزم کے سیلاب کا مقابلہ کرنا ہے تو یہ تو کشتی ہی ڈبو دیتے کیونکہ یہ تو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ تھے۔

علمائے ربانیین کی دین پر استقامت :-

یہ علمائے ربانیین ہی تھے جنہوں نے ان تمام حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ میں سلام پیش کرتا ہوں وسط ایشیا کے ان علماء کو جنہوں نے 70 سال ظلم کی چکی کے اندر پسنا تو برداشت کر لیا مگر دین کو اپنے سینوں سے جدا نہ ہونے دیا۔ حتیٰ کہ جب ظلم کی آندھی چھٹی، ظلم کے سائے گھٹ گئے تو اس وقت یہ علمائے دین اسی دین کو سینے سے لگا کر پھر کھڑے ہو گئے۔ آج وہاں کے عوام الناس پھر دین کو اپنی زندگیوں میں لاگو کر رہے ہیں۔

وسط ایشیاء کا علمی قرض :-

یہی طلباء ہیں جن کے آباؤ اجداد نے ہم تک دین پہنچایا۔ اور آج انہی کی یہ اولادیں ان ملکوں میں تحصیل علم کے لئے آ رہی ہیں۔ کوئی سعودی عرب پہنچ رہا ہے، کوئی پاکستان پہنچ رہا ہے۔ کوئی انڈیا میں دارالعلوم دیوبند جا رہا ہے۔ یہ بخاریؒ و مسلمؒ کے روحانی بیٹے ہمارے ان علاقوں میں قرآن و حدیث کا علم پانے کے لئے آ رہے

ہیں۔ یہ ہمارے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو ان مدارس کا تعاون کرتے ہیں کتنی سعادت ہے کہ ہمارے علماء کی وجہ سے وہاں کے روحانی فرزند یہاں سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کر کے واپس جارہے ہیں۔ ارے! آپ نے تو کمیونزم اور سوشلزم کے سامنے کچھ نہ کیا، یہی علماء ہیں جو ان کا قرض لوٹا رہے ہیں۔ قرض ان کے آباؤ اجداد کا تھا جن کی حدیث اور تفسیر کی کتابیں پڑھ کر ہم عالم بنے۔ آج ہم ان کی اولادوں کو یہ قرض لوٹا رہے ہیں۔ اللہ رب العزت نے فیصل آباد کے ان علماء کو سعادت بخشی ہے کہ ان کی خدمت میں بیٹھ کر وسط ایشیاء کے طلباء نے قرآن و حدیث کی تعلیم مکمل کی۔

بچوں کی تربیت کا انگریزی طریقہ :-

اس کے برعکس اگر انگریزی خواں طبقہ کی بات ہوتی تو یہ بچارے تو خود سر سے لے کر پاؤں تک انگریز بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اتنا تو "گورے انگریز" بھی انگریزی کو پسند نہیں کرتے جتنا یہ "کالے انگریز" انگریزی کو پسند کرتے ہیں۔ لہذا ان کے گھر میں بچہ پیدا ہو تو یہ اس کو عربی یاد نہیں کرائیں گے بلکہ وہ انہیں

Twinkle, Twinkle, little star !

How I wonder what you are,

یاد کرائیں گے۔ ایک صاحب انگریزی کے بارے میں بڑا عجیب شعر پڑھا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں

سنا ہے کہ وہاں ہوگی بولی عرب کی
مگر ہم نے سیکھی ہے انگلش غضب کی

آخرت میں تو عربی بولی جائے گی اور عربی ہی کام آئے گی مگر یہاں ہمارے بچے

غضب کی انگلش سیکھ رہے ہیں۔ لطف اور مزے کی بات یہ ہے کہ اردو میں بھی بات کر سکتے ہیں مگر پھر بھی انگلش میں بات کرنا اور انگلش الفاظ استعمال کرنا بڑی عزت کی بات سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امی کیلئے "ماما" باپ کیلئے "ڈیڈی" اور بیٹی کیلئے "ٹیڈی" یعنی ہر وقت "ریڈی"۔ اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا ان کو اچھا لگتا ہے۔ عام روزمرہ زندگی میں ان کی بول چال دیکھ لیجئے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ عربی پڑھ کر ذرا سنا دیجئے تو وہ قرآن پاک کی آیت ٹھیک نہیں پڑھ سکیں گے جب کہ انگریزی فر فر بولیں گے۔

لمحہ ء فکریہ :-

ہر ماں باپ چاہے گا کہ بچوں کو انگریزی سکول میں داخل کروایا جائے۔ ٹھیک ہے ضرور داخل کروائیں مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ زندگی کا ایک شعبہ ہے جس سے رزق حلال کمانا ہے، یہ زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ آپ بچوں کو جیسے انگریزی سکھاتے ہیں ویسے عربی کیوں نہیں سکھاتے ؟ آپ کے بچے قرآن پاک کا ترجمہ کیوں نہیں پڑھتے ؟ کیا یہ اس قرآن کا حق نہیں ہے کہ ہمارے بچے اسے پڑھتے اور سمجھتے۔

اے ماں ! تو دین و دنیا برابر برابر کے راگ الاپتی ہے، اے والد ! تو دین و دنیا برابر برابر کے فلسفے کو پسند کرتا ہے مگر تیرے پانچ بچے ہیں اور پانچوں کے پانچوں کالج جاتے ہیں۔ تیرا ایک بچہ بھی ایسا نہیں جو کبھی حدیث پڑھنے کیلئے مدرسے جاتا، کبھی تفسیر پڑھنے کیلئے مدرسے جاتا۔ اے ماں ! تیرے دل میں یہ حسرت کیوں نہیں پیدا ہوتی کہ تیرا بھی کوئی ایسا بچہ ہوتا جو دامن میں قرآن کو لے کر بیٹھتا اور جھولی پھیلا کر محبوب ﷺ کے فرامین کو یاد کرتا اور دعائیں مانگتا۔ تیرا کوئی بچہ تو تیری شفاعت کرنے کے قابل ہوتا۔ احادیث مبارکہ میں حافظ کی شفاعت کے بارے میں بتایا گیا،

عالم کی شفاعت کے بارے میں بتایا گیا۔ روز محشر یہ ڈاکٹر اور انجینئر تو شفاعت نہیں کر پائیں گے۔ کاش! کہ تیرا کوئی ایسا بچہ ہوتا جس کی وجہ سے پروردگار عالم تیرے سر پر نور کا تاج بروز محشر پہناتے۔ اس لئے تو بھی کسی بچے کو عالم بنا لیتی۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ بس اتنی بات ہے کہ بچے دنیاداری میں اچھے دنیادار بن جاتے ہیں لہذا اماں باپ کہتے ہیں کہ جی ہمارا بڑا بچہ بڑی اچھی پوسٹ پر ہے اور بڑی اچھی سہولیات ہیں مگر بچے کے لئے تھوڑی سی دعا کر دیں، بس ذرا سا بے دین بن گیا ہے۔ وَیَااَسَفیٰ ایسی باتیں زبان پر کیوں آتی ہیں؟ اس لئے کہ ہماری نظر میں دین کی وقعت اتنی گر چکی ہے کہ ہم احساس نہیں کرتے کہ ان بچوں کو دنیا کا علم تو پڑھائیں گے مگر اس کے ساتھ ساتھ اور کیا کچھ پائیں گے۔ اس لئے اکبر نے کہا تھا

ہم سمجھتے تھے لائیگی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آیگا الحاد بھی ساتھ

اگر الحاد (کفر) بھی ساتھ چپکے چپکے خود ہی آگیا تو پھر تم کیا کرو گے؟ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ان انگریزی پڑھے لکھے طلباء کو ہم ان مدارس کے اندر تھوڑے سے وقت کیلئے بھیجیں۔ جو جتنا علم حاصل کر سکتا ہے اتنا کرے۔ قرآن کی تعلیم پا سکتا ہے تو وہ پائے تاکہ یہ اپنے آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ کر سکیں۔ یہ دینی اداروں سے غیر مانوسی کا نتیجہ ہے کہ انگریزی پڑھے لکھے لوگ جب بیٹھتے ہیں اور علماء کا تذکرہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ان علماء نے اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی۔ یہ کیسے کمائیں گے، انہوں نے تو اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی۔

ایک دلچسپ کہانی :-

مجھے یہاں ایک کہانی یاد آئی ہے جو ہم انگلش کی کتابوں میں پڑھا کرتے تھے۔ ایک جگہ مختلف جزیرے تھے۔ ان میں سے ایک جزیرے پر آبادی تھی مگر دوسرے

جزیرے میں سکول بنایا گیا تھا۔ لہذا بچے سکول جانے کے لئے کسی ملاح کے ساتھ اس کی کشتی میں بیٹھ کر دوسرے جزیرے پر جایا کرتے تھے۔

ایک دن ان طلباء کے دل میں شرارت پیدا ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس ملاح کو ذرا چھیڑیں تو سہی۔ لہذا ان میں سے ایک آگے بڑھا اور ملاح سے پوچھا، جناب! کیا آپ کو ریاضی آتی ہے؟ اس نے جواب دیا، مجھے تو نہیں آتی۔ تو وہ کہنے لگا،

Then you have wasted half of your life

تم نے تو اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی اور آپس میں ہنسنے لگ گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسرا آگے بڑھا اور کہنے لگا، جناب! آپ کو سائیکالوجی (نفسیات) کا پتہ ہے؟ اس نے کہا، جی مجھے تو نہیں پتہ۔ وہ پھر ہنسنے لگ گئے۔ کہنے لگے، **Then you have wasted half of your life.** تم نے تو اپنی آدھی زندگی ضائع کر دی۔ اس کے بعد تیسرا آگے بڑھا اور کہنے لگا، جناب! آپ کو فزکس اور کیمسٹری کا پتہ ہے؟ اس نے کہا، مجھے تو بالکل نہیں پتہ۔ وہ کہنے لگے **Then you have wasted half of your life** تو نے تو اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی۔ وہ اسی طرح کی باتوں سے اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ اس دوران بارش شروع ہو گئی۔ سمندر کے اندر تلاطم پیدا ہوا **High Tide** (مدوجزر) کا وقت آ گیا۔ کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ اب ملاح کی باری تھی چنانچہ اس نے کہا، بچو! بتاؤ کیا تمہیں تیرنا آتا ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں، ہمیں تیرنا تو نہیں آتا۔ وہ کہنے لگا، **Then you have wasted whole of your life.** پھر تو تم نے اپنی پوری زندگی تباہ کر لی ہے۔ یعنی ڈوب جاؤ گے۔

قیامت کے دن بالکل اسی طرح ہوگا۔ آج تو آپ علماء سے کہتے ہیں کہ تم نے اپنی

آدھی زندگی تباہ کرلی ہے اگر روز محشر جاکر پتہ چلا کہ ہم نے تو اپنی پوری زندگی تباہ کر لی تھی تو سوچئے تو سہی کہ وہاں جاکر کیا بنے گا۔لہٰذا بجائے اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ وہ پانچ فیصد علماء جو دین کی حفاظت پر مامور ہیں، جنہوں نے قرآن کی ایک ایک آیت پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں، جنہوں نے ہر طرح کے فتنوں سے طوفانوں سے، سیلابوں سے دین کی حفاظت کرنی ہے ہم ان کو سائنس میں گھسیٹنے کی بجائے ان 95% سے کہیں کہ جناب تم اتنا دنیاوی علم پڑھ چکے ہو، اب کورے مت رہو دین کا کچھ علم تو تم بھی حاصل کرلو۔

قوم کا سرمایہ :-

وہ بچے جو انگریزی سکولوں میں جاتے ہیں وہ یقیناً قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، وہ قوم کی کریم ہوتی ہے۔وہ **Talented** بچے ہوتے ہیں۔-**Intelegentia of na-tion.** ہیں۔ان کو چاہئے کہ وہ ابھی سے ارادہ کرلیں کہ جب ہم دین کو پڑھیں گے تو صحیح سمجھ کر پڑھیں گے اور پھر دوسروں تک پہنچانے کا کام بھی کریں گے۔مدارس اور سکولوں کی کشمکش کے درمیان حق بات تو یہی ہے کہ ہم اپنے سکولوں کے بچوں کو اس طرف متوجہ کریں کہ مدارس میں جانا بھی تمہاری ضرورت ہے۔ جب تک تم دین نہیں سیکھو گے تمہارا ایمان محفوظ نہیں ہوگا۔

فتنوں کا توڑ :-

۔اللہ رب العزت جزائے خیر دے ان علماء کو کہ انہوں ہر حال میں دین کو تھامے رکھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔انسان اپنے لئے تو غربت برداشت کرلیتا ہے مگر اپنی اولاد کیلئے غربت برداشت کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔آپ سوچئے تو سہی کہ انگریز کے دور میں دین کس نے پڑھا؟ علماء نے پڑھا۔پھر انہوں نے اپنی اولادوں کو

پڑھایا۔ ہم تو مسٹر بنے رہے۔ ہم تو دفتروں کے چکر لگاتے رہے۔ ہم تو دنیا کے اعلیٰ تعلیم یافتہ بنے رہے۔ مگر یہ علماء ہی تھے جنہوں نے غربت کو برداشت کیا، تھوڑی دنیا پر قناعت اختیار کی، چٹائیوں پر بیٹھنا پسند کیا، حجروں میں رہنا پسند کر لیا مگر دین پر ضرب نہ لگنے دی۔ جب انگریز نے دین کے اندر فتنہ شامل کرنے کی کوشش کی تو یہ کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ ہر فتنے کے سامنے وہ سیسہ پلائی دیوار بن کر سامنے آئے۔ وہ یہودیت کا فتنہ تھا یا صیہونیت کا یا مرزائیت کا فتنہ تھا یا کسی پرویزیت کا۔ یہی علماء ہی تھے جو ہر فتنے کے سر پر ضرب مومن لگاتے رہے اور بالآخر ان فتنوں کو اپنی موت مر جانا پڑا۔ اس طرح کفر کو ہر موقعہ پر ذلت اٹھانا پڑی۔

کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پہ ناچ کرتا ہے سپند
ان میں قاسم ہوں کہ انور شاہ کہ محمود الحسن
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

یہ دردمند دل رکھنے والے، یہ ارجمند فطرت رکھنے والے علماء ہی تھے جنہوں نے ہر میدان میں کفر کے دانت کھٹے کئے اور اسلام کا بول بالا کیا۔ انہی کے دم قدم سے یہ علم ہم تک پہنچا بلکہ قیامت تک انہی علماء کے دم قدم سے دین پہنچے گا۔

حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا جب دجال لوگوں کو اپنے فتنے کی وجہ سے دین اسلام سے نکال کر کفر کے اندر داخل کرنے والا ہو گا۔ وہاں کون ہو گا؟ کوئی انگریزی خواں ہو گا جو اس دجال کے مقابلے کیلئے کھڑا ہو گا۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا جب وہ دجال مدینہ طیبہ جانے لگے گا وہاں پر فرشتوں کے پہرے کی وجہ سے داخل تو نہیں ہو سکے گا تاہم ایک زلزلہ آئے گا اور کمزور ایمان والوں میں سے ہر ایک آدمی باہر نکلے

گا اور اس کا لقمہ بن جائے گا۔ ایک مومن بھی ہو گا جو باہر نکلے گا کہ میں دجال کو دیکھوں تو سہی۔ دجال اسے بلائے گا۔ اور کہے گا کہ تو میرے خدا ہونے کی تصدیق کر لے۔ وہ کہے گا نہیں تو پکا کافر ہے۔ دجال کہے گا، کہ اچھا میں تمہیں مار سکتا ہوں۔ وہ کہے گا، مار کے دکھا۔ دجال اسے تھوڑی دیر کے لئے مارے گا، اسے موت آجائے گی اور اس کے بعد پھر اسے زندہ کرے گا۔ جب مارنے کے بعد زندہ کرے گا تو دجال کو دوبارہ مارنے پر قدرت نہیں ہو گی۔ وہ عالم اسے جانتے ہوں گے پس کہیں گے کہ اب مجھے مار کے دکھاؤ۔ دجال شرمندہ اور ذلیل ہو گا۔

گناہوں کی آگ :-

یہ علماء ہی ہیں جو آج گناہوں کی آگ کو بجھانے کیلئے پانی کی بالٹی ڈالتے ہیں، قطرہ قطرہ پانی برسا رہے ہیں کہ کسی طرح یہ بے راہ روی کی آگ دور ہو جائے۔ اگرچہ مکمل طور پر تو دور نہیں ہو گی تاہم ہر آدمی اپنا اپنا اجر تو پالے گا۔

چڑیا کی وفاداری :-

حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اتنی بڑی آگ تھی کہ وہ آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ اس وقت ایک چڑیا اپنی چونچ میں پانی لے کر آتی اور حضرت ابراہیمؑ کی آگ کے اوپر پانی کا ایک قطرہ ڈالتی تھی۔ کسی دوسرے پرندے نے پوچھا کہ تیرے ایک قطرہ پانی ڈالنے سے کیا آگ بجھ جائے گی۔ وہ کہنے لگی یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ آگ تو نہیں بجھے گی مگر میں نے حضرت ابراہیمؑ کی دوستی کا حق تو نبھانا ہے........ یہ چھوٹے چھوٹے مدارس اسی چڑیا کی طرح ہیں جو اپنی چونچ میں امن و سکون اور اللہ کی رحمت کا ایک ایک قطرہ لے کر معصیت کی آگ پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دنیا میں علماء کی ضرورت :-

ان مدارس کو محبت کی نظر سے دیکھا کریں۔اہل مدارس کو محبت کی نظر سے دیکھا کریں۔جو ان مدارس کی خدمت کر رہے ہیں ان سے محبت رکھا کریں۔جب آپ پیدا ہوتے ہیں تو یہی حضرات آپ کے کانوں میں اللہ کا نام پہنچاتے ہیں۔جب آپ زندگی کیلئے کوئی ساتھی تلاش کرتے ہیں تو یہی خطبہ پڑھ کر اسے آپ کیلئے حلال بناتے ہیں۔جب اس دنیا سے جانا ہوتا ہے تب بھی یہی علماء آپ کے جنازے کی نماز پڑھاتے ہیں۔اور پھر آپ کو دفن کر دیا جاتا ہے۔

جنت میں علماء کی ضرورت :-

یہ بھی دلچسپ حقیقت ہے کہ قوم علماء کی فقط یہاں ہی حاجتمند نہیں ہوگی بلکہ علماء کی ضرورت تو جنت میں بھی پڑے گی۔عام آدمی سوچے گا کہ جنت میں علماء کی ضرورت کیسے پڑ سکتی ہے۔سنئے کہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جنت میں ہر نعمت عطا فرمادیں گے حتیٰ کہ وہ ان نعمتوں میں خوش ہوں گے۔کئی سالوں کا عرصہ گزر جائے گا۔بالآخر ایک وقت آئے گا جب رب کریم فرمائیں گے کہ اے جنتیو! کیا تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ جنتی کہیں گے کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں کہ جس کی ہمیں ضرورت محسوس ہوتی ہو۔ان کے ذہن میں کچھ نہیں آئے گا۔بالآخر رب کریم ان سے فرمائیں گے کہ اچھا تم اپنے علماء سے جاکر پوچھو کہ کوئی اور بھی ایسی چیز ہے جس کی تمہیں ضرورت ہے؟ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنتی اپنے علماء سے رجوع کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ کیا کوئی اور چیز بھی ہے؟ تو علماء کہیں گے کہ ہاں، نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ جنت میں جہاں باقی نعمتیں ملیں گی وہاں ہمیں اپنے پروردگار کا دیدار بھی نصیب ہوگا۔ابھی تک دیدار نہیں ملا لہٰذا تم

پروردگار سے دیدار مانگو۔ سب جنتی دیدار مانگیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔ سبحان اللہیہ وہ جماعت ہے کہ آپ جس کا احسان جنت میں بھی جاکر نہیں اتار پائیں گے۔

اللہ رب العزت ان عربی پڑھنے والے طلباء اور علماء کے ساتھ دلی محبت عطا فرمادے۔اسی لئے ارشاد فرمایا گیا يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے يَنْصُرْكُمْ تو وہ تمہاری مدد کرے گا وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ اور وہ تمہارے قدموں کو جمادے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دامے، درمے، سخنے ہر طرح سے ان حضرات کی تائید کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم ان حضرات کی خدمت بھی کریں اور احسان بھی ان کا جانیں کیونکہ یہ بلند و بالا کام کر رہے ہیں۔ اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے کہ وہ اپنی اولاد کو اس دین کے حاصل کرنے کیلئے وقف کرے تو یقیناً وہ ماں باپ مبارکباد کے لائق ہوں گے سبحان اللہ آج جب چھوٹے چھوٹے بچے حفظ کرنے والے آرہے تھے اور ہم ان کے سروں پر پگڑیاں باندھ رہے تھے تو میرے دل میں یہ بات آرہی تھی کہ میرے مولا! آج تو ہم کپڑے کا تاج پہنا رہے ہیں، کل یہ تیرے پاس آئیں گے، آپ تو ان کو نور کا تاج پہنائیں گے۔ یہ بچے کتنے خوش نصیب ہوں گے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی اولادوں کو بھی دین حاصل کرنے کی ترغیب دیں تاکہ اللہ رب العزت ہم انگریزی پڑھے لکھے لوگوں کو بھی دین کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥

صحبت صلحاء

اَلحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ، اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَ کُوْنُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ o سُبْحَانَ رَبِّکَ
رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o وَالْحَمْدُلِلّٰہِ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

رجال اللہ کی ضرورت :

حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ "انسان کا دنیا میں آجانا آسان ہے مگر صحیح معنوں میں انسان بن جانا مشکل کام ہے، جو بنتا ہے یا بناتا ہے وہ پتہ پاتا ہے"۔ یہ بات سو فیصد درست ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بنانا چاہے تو وہ نہیں بنا سکتا۔ تورات کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا، تَفْصِیلَ کُلِّ شَیْءٍ کہ ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ مگر اس کے باوجود ان لوگوں کو حکم دیا گیا کہ تم حضرت موسیٰؑ کی پیروی کرنا۔ قرآن مجید کے بارے میں کہا گیا، تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ کہ اس میں ہر بات کی وضاحت موجود ہے، مگر حکم دیا گیا کہ تم نبی اکرم ﷺ کی پیروی کرنا۔ نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں دو چیزیں لائے، ایک روشن کتاب اور دوسرا روشن دل، ایک علم کامل دوسرا عمل کامل۔ انسانیت کی ہدایت کیلئے یہ دو چشمے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن پاک نازل ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا وَیُزَکِّیْھِمْ اور وہ

ان کا تزکیہ کرتے تھے۔ معلوم یہ ہوا کہ تزکیہ کیلئے کسی مزکّی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے کپڑے دھونے کیلئے دھوبی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس پر صابن لگا کر اس کے اندر کا میل نکال دیتا ہے۔

ایک عقلی دلیل :

کوئی بھی طالبعلم جب پرچہ دینے بیٹھتا ہے تو وہ اپنے ذہن کے مطابق ہر ہر سوال کا صحیح جواب لکھتا ہے۔ اگر اس کو پتہ ہو کہ جواب غلط ہے تو وہ لکھے ہی کیوں؟ وہ تو بچارہ راتوں کو جاگتا رہا، وہ تو دعائیں بھی منگواتا رہا کہ میں کامیاب ہو جاؤں، اس کے دل کی تو تڑپ تھی۔ لیکن جب کسی ممتحن کے سامنے اس کا پرچہ جاتا ہے تو وہ بتا دیتا ہے کہ یہ غلط ہے وہ غلط ہے۔ اس وقت طالبعلم کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ یہی معاملہ انسان کا ہے کہ وہ اپنی ذات کی اصلاح خود نہیں کر سکتا کیونکہ نفس اس کے سامنے اس کے عیوب کو مزین کر کے پیش کرتا ہے، ہر بات کی کوئی نہ کوئی Logic (دلیل) پیش کر دیتا ہے۔ رشوت لینے والا ہمیشہ کہے گا کہ میں اپنے لئے تو نہیں لیتا آخر بچوں کو بھی تو پالنا ہے۔ انسان اسی طرح شیطان کے مکر و فریب میں آکر برائی کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ آدمی پر نظر رکھے۔ اللہ کرے کہ ہم کسی کی نگاہوں میں رہنے والے ہوں کیونکہ وہ دن ماتم اور غم کا دن ہوگا جب ہمارے اوپر نظر رکھنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

حضرت مرشد عالمؒ کا اظہار افسوس :-

حضرت مرشد عالمؒ ایک مرتبہ حج پر تشریف لے گئے تو حضرت قاری فتح محمدؒ کی ملاقات کے لئے ان کے ہاں گئے۔ آپ جس وقت پہنچے اس وقت حضرت قاری صاحبؒ لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے انہیں لیٹے ہوئے دیکھا

تو میں نے ان کے پاؤں دبانے شروع کر دیئے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے فوراً پاؤں سمیٹ لئے۔ اور فرمایا، ناں ناں، آپ سے تو میں یہ کام نہیں کروا سکتا۔ میں نے کافی اصرار کیا مگر نہ مانے۔ بالآخر میں رو پڑا اور کہنے لگا کہ آج یہ کیسا وقت آ گیا ہے کہ دنیا میں مجھے کوئی ایسا بندہ نظر نہیں آتا جو مجھے اپنے پاؤں دبانے کی اجازت دے دے۔

اکابرین امت اور ضرورت مرشد :-

سالک کے سر پر شیخ کی روحانیت اور اس کی دعاؤں کا سایہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مشاہیر علماء نے بھی اللہ والوں کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ اگر ابو ہاشم صوفیؒ نہ ہوتے تو ہم ریاء کے باریک نکتوں سے کبھی واقف نہ ہو سکتے۔ خود امام اعظم ابو حنیفہؒ حضرت جعفر صادقؒ کی صحبت میں رہے جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں پانچویں نمبر پر آتے ہیں اور اس کے بارے فرمایا لَوْ لَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔ امام غزالیؒ کے پیر و مرشد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے شیخ حضرت خواجہ بو علی فارمدیؒ تھے۔ امام غزالیؒ خود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں نے خواجہ بو علی فارمدیؒ سے ظاہری تربیت بھی پائی اور طریقہ نقشبندیہ کے کمالات بھی حاصل کیے۔ امام احمد بن حنبلؒ حضرت بشر حافیؒ کی صحبت میں جایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا، حضرت! آپ تو اتنے بڑے عالم ہیں، آپ ایک خرقہ پوش آدمی کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ فرمایا "میں عالم بکتاب اللہ ہوں اور وہ عالم باللہ ہیں اس لئے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں"۔

امام غزالیؒ کے نزدیک تحصیل علم کے مقاصد :-

امام غزالیؒ نے زمانہ طالبعلمی میں ہی خواجہ بو علی فارمدیؒ سے تربیت پائی۔ ان کی تربیت پر روشنی ڈالنے کیلئے ان کے زمانہ طالبعلمی کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ جس مدرسہ

میں امام غزالیؒ پڑھتے تھے وہ مدرسہ وقت کے بادشاہ نظام الملک طوسی نے ہوایا تھا۔ مدرسہ کے حالات کے بارے میں بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ جناب! آپ نے جو مدرسہ ہوایا تھا وہاں پر تو طلباء سب کے سب دنیادار ہیں، دین سیکھنے والا کوئی بھی نہیں۔ بادشاہ نے کہا، اچھا میں اتنا پیسہ خرچ کر رہا ہوں اور اگر طلباء وہاں کتابیں پڑھ کر بھی دنیادار بنیں گے تو کیا فائدہ، اس مدرسہ کو تو بند ہی کر دیا جائے۔ مگر دل میں خیال آیا کہ میں وہاں جا کر احوال تو دیکھوں۔

جب بادشاہ اپنا بھیس بدل کر وہاں پہنچا تو اس نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ بھائی! آپ یہاں کیسے آئے؟ کہنے لگا، میں علم پڑھ رہا ہوں، میرے والد فلاں جگہ مفتی ہیں، میں بھی مفتی ہوں گا، لوگوں میں عزت ہوا کرے گی۔ دوسرے سے پوچھا تو اس نے کہا، میرے والد فلاں جگہ قاضی ہیں، میں بڑا ہو کر ان کا عہدہ سنبھالوں گا۔ تیسرے سے پوچھا تو اس نے کہا، وقت کا بادشاہ علماء کی بڑی قدر کرتا ہے، میں عالم ہوں گا اور بادشاہ کا مصاحب ہوں گا۔ یہ سب باتیں سن کر بادشاہ نے سوچا کہ واقعی یہ تو سب کے سب دنیادار ہیں، مجھے اتنے پیسے خرچ کرنے کا کیا فائدہ؟ یہ ارادہ لے کر جب باہر نکلنے لگا تو دروازہ کے قریب اس نے دیکھا کہ ایک طالب علم چراغ جلائے پڑھ رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ چلو اس سے بھی بات کرتا چلوں۔ چنانچہ بادشاہ قریب ہوا اور کہا، السلام علیکم۔ طالب علم نے کہا وعلیکم السلام، اور پھر پڑھنا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا بات ہے کہ آپ مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کرتے۔ طالب علم نے کہا، جی میں آپ سے یہاں باتیں کرنے تو نہیں آیا۔ بادشاہ نے پوچھا بھئی! آپ کس لئے آئے ہیں؟ طالب علم نے جواب دیا، میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ میں اپنے پروردگار کو راضی کروں، مجھے نہیں پتہ کہ میں اسے کیسے راضی کر سکتا ہوں، یہ باتیں

ان کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، میں وہ کتابیں پڑھوں گا، ان باتوں کو سمجھ کر ان پر عمل کروں گا اور اپنے پروردگار کو راضی کروں گا۔ یہ بچہ جب بڑا ہوا تو اپنے وقت کا امام غزالی بنا۔ یہ شیخ کی صحبت تھی جس نے بچپن سے ہی ان کے دل میں یہ جذبہ بھر دیا کہ دین پڑھنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے۔

رضائے خداوندی کی اہمیت :

چٹائیوں پر بیٹھ بیٹھ کر آدمی کے گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان پڑ جاتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ اگر اللہ کی رضا کا جذبہ دل میں پیدا نہ ہوا تو یہ نشان فائدہ نہیں دیں گے۔ کیا جانوروں کے گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان نہیں ہوتے؟ جاؤ کسی بیل کو دیکھو، جاؤ گھوڑے اور گدھے کو دیکھو، تمہیں ان کی ٹانگوں اور ٹخنوں پر نشان نظر آئیں گے۔ جو طالب علم یہ سوچے کہ صف پر بیٹھ بیٹھ کر جسم پر نشان پڑ چکے ہیں تو اسے سن لینا چاہئے کہ اگر مقصود اللہ کی رضا ہوگی تو ایک ایک حرف کے پڑھنے پر اجر ملے گا اور اگر مقصود دنیا ہوگی تو یہ بوجھ ہوگا جو گدھے کی پشت پر لاد دیا گیا ہو۔

امام زین العابدینؒ کی اپنے بیٹے کو نصیحت :-

امام زین العابدینؒ نے اپنے بیٹے باقرؒ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، بیٹا! چار آدمیوں کے پاس نہ رہنا، راستہ چلتے ہوئے ان کے ساتھ تھوڑی دیر کیلئے بھی نہ چلنا۔ کہنے لگے کہ میں بڑا حیران ہوا کہ وہ اتنے خطرناک ہیں!!! پوچھا کہ وہ کونسے آدمی ہیں؟ فرمایا، ایک بخیل آدمی، اس سے کبھی دوستی نہ کرنا اس لئے کہ وہ تجھے ایسے وقت میں دھوکا دے گا جب تجھے اس کی بہت ضرورت ہوگی۔ دوسرا جھوٹا آدمی، کہ وہ دور کو قریب ظاہر کرے گا اور قریب کو دور۔ اور تیسرا فاسق آدمی کیونکہ وہ تجھے ایک لقمہ کے بدلے یا ایک لقمہ سے بھی کم میں بیچ دے گا۔ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا، ابو! ایک

لقمہ میں بیچنا تو سمجھ میں آتا ہے ایک لقمہ سے بھی کم میں بیچنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ وہ تمہیں ایک لقمہ کی امید پر بیچ دے گا۔ اور چوتھا قطع رحمی کرنے والا آدمی کیونکہ میں نے قرآن میں کئی جگہ اس پر لعنت دیکھی ہے۔ یہ باپ کی صحبت کے انمول موتی تھے جو بیٹے کو مل رہے تھے۔ ایک وہ وقت تھا کہ باپ اپنے بیٹوں کو نصیحت کیا کرتے تھے۔

مولانا یحییٰؒ کا ملفوظ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ فرماتے تھے کہ میرے والد مولانا یحییٰؒ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کتنا ہی کند ذہن کیوں نہ ہو اگر اسے دوستی لگانے کا مرض نہیں تو وہ کبھی نہ کبھی منزل پر پہنچ جائے گا۔ اور کوئی طالب علم کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو، اگر اسے دوستی لگانے کا مرض ہے تو وہ کبھی بھی منزل پر نہیں پہنچ سکے گا۔ اسی طرح انسان دیکھے کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ اپنا وقت گزار رہا ہے۔

اچھے اور برے دوست کی مثال:

حدیث مبارکہ میں برے دوست کی مثال لوہار کی بھٹی کی مانند بتائی گئی ہے۔ اگر آپ کی دوستی لوہار کے ساتھ ہو تو آپ جاکر دیکھئے کہ آپ کو کوئلوں کی سیاہی ملے گی۔ اگر اور زیادہ قریب جاکر بیٹھیں گے تو دھواں ملے گا، اگر اور زیادہ قریب جاکر بیٹھیں گے تو آگ سے کپڑے جلیں گے۔ اور نیک دوست کی مثال عطار کی مانند ہے۔ اس کے پاس جائیے۔ اول تو عطر کی خوشبو آئے گی اور اگر اچھا دوست ہوگا تو وہ عطر بھی دے دے گا۔ اگر فاسق کی دوستی ہوگی تو یقیناً زہر ہوگی۔ آہستہ آہستہ انسان پر اس کا اثر ہونا شروع ہو جائے گا۔ کسی شاعر نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

جہاں عطر کھنچتا ہے جاؤ وہاں گر
تو آؤ گے اک روز کپڑے بسا کر

جہاں آگ جلتی ہے جاؤ وہاں گر
تو آؤ گے اک روز کپڑے جلا کر
یہ مانا کہ کپڑے بچاتے رہے تم
مگر آگ کی سینک کھاتے رہے تم

یعنی جہاں عطر بنایا جاتا ہے وہاں کپڑوں میں خوشبو رچی ہوئی ہوتی ہے۔ اور جہاں آگ جلتی ہے اگر وہاں جاؤ گے تو ایک نہ ایک دن اپنے کپڑے جلا کر آؤ گے۔ اگر کوئی آدمی کہے کہ میں آگ کے پاس بھی بیٹھتا ہوں اور کپڑے بھی نہیں جلنے دیتا تو ہاں مان لیا کہ تم کپڑے تو بچاتے رہے مگر آگ کی گرمی تو تجھے پہنچتی رہی۔ اسی طرح آدمی برے دوستوں کی صحبت میں گناہوں سے بچ بھی جائے تو گناہوں کے اثرات سے نہیں بچ سکتا۔

ناجنس کی صحبت سے پرہیز:

سالک اگر کسی ناجنس سے صحبت رکھے گا تو وہ اپنے مقام سے گر جائے گا۔ ناجنس ایسے آدمی کو کہتے ہیں جس کا مقصد کچھ اور ہو، جو ہم مشرب نہ ہو کیونکہ ہم مشرب تو اسے کہتے ہیں جس کا مقصود ایک ہو۔ برا دوست تو سانپ کی مانند ہوتا ہے جو آدمی کو ڈس لیا کرتا ہے۔ سانپ نے ڈسا تو بندہ جسمانی موت مرا اور برے دوست نے ڈسا تو انسان روحانی موت مر گیا۔

جانوروں کی صحبت کے اثرات:

کئی لوگ کہتے ہیں کہ جی میں نے فاسق دوست تو بنائے ہوئے ہیں لیکن ان کی باتوں کا میرے اوپر اثر نہیں ہوتا۔ یہ سو فیصد غلط بات ہے کیونکہ آدمی پر تو جانوروں کی صحبت کا بھی اثر ہو جاتا ہے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ جو آدمی گھوڑوں کی سواری

کرنے والا ہو اس کے اندر جوانمردی کا جذبہ ہوتا ہے، جو آدمی اونٹوں کی صحبت میں رہنے والا ہو اس کے اندر ہٹ دھرمی ہوتی ہے جو بکریاں پالنے والا ہو اس میں عجز و انکساری ہوتی ہے۔ اگر ان جانوروں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی فطرت طبیعت پر اثر کرتی ہے تو جو انسانوں کے ساتھ رہے گا اس پر اثر کیوں نہیں ہوگا۔

اللہ والوں کا فیضان نظر :

حضرت مرشد عالمؒ ایک عجیب بات فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو، بری نظر کا لگ جانا شریعت سے ثابت ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے اَلْعَیْنُ حَقٌّ تو فرماتے تھے کہ جس نظر کے اندر بغض ہے، کینہ ہے، عداوت ہے، دشمنی ہے اگر وہ نظر انسان کے اوپر اثر کر دیتی ہے تو شیخ کی وہ نظر جس میں شفقت ہو، رحمت ہو، محبت ہو، عنایت ہو، اخلاص ہو وہ نظر انسان کے دل پر کیوں نہیں اثر کرے گی۔ اللہ والوں کی بھی نظر لگ جاتی ہے۔ اللہ کرے کہ کسی کی نظر ہمارے دلوں پر لگ جائے (آمین)۔ جی ہاں، تبھی تو آدمی محفوظ رہتا ہے۔ اور سیدھے راستہ پر چلتا رہتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا' یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اور سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔

سالکین طریقت کا بنیادی فرض :

مولانا رومؒ فرماتے ہیں :

قال را بگزار مرد حال شو
پیش مرد کاملِ پامال شو
صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانب دلدار کن

کہ صد کتابیں اور صد ورق آگ میں ڈال دے اور جان و دل کو دلدار کے حوالے کر دے۔ یہ چیز شیخ کی صحبت میں بیٹھ کر آتی ہے۔ کسی پنجابی شاعر نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا :

مٹی بن کے کمہار دے وس پیئے تے پیالے والڑا بھیس وٹا لیئے

قسمت نال جے پک کے توڑ چڑھئے مزہ یار دے لباں دا پا لیئے

مٹی بن کر ہم کسی کمہار کے ہاتھوں میں آئیں جو ہمیں پیالے کی شکل میں ڈھال دے اگر قسمت سے ریاضت کی بھٹی سے پک کر نکلے تو محبوب کے لبوں سے لگنے کا ہمیں لطف نصیب ہو جائے گا۔ میرے دوستو! ہم اپنے آپ کو مٹی سمجھیں اور اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر دیں، پھر وہ ہمیں جس شکل میں ڈھالے ڈھلتے چلے جائیں۔ پھر دیکھنا کہ اللہ رب العزت ہمیں کیسے معرفت کے جام پلائیں گے۔ دیکھیں کہ جس پودے کا مالی کوئی نہ ہو وہ کتنا بد صورت ہوتا ہے، اس کی شاخیں کسی ڈھب پر نہیں ہوتیں، ٹیڑھا میڑھا ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کا کوئی مالی ہو تو وہ اس کی شاخوں کو تراشتا ہے اور اس طرح یہ پودا دیکھنے میں بھی دیدہ زیب اور جاذب نظر ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارا بھی کوئی نگہبان ہو۔ اس نگہبان کو شیخ کہتے ہیں۔

صحبت نبوی ﷺ کے اثرات :

صحابہ کرامؓ کو جو شرف نصیب ہوا وہ ان کی ریاضت اور علمی کمالات سے نہیں بلکہ ان کو نبی اکرم ﷺ کی صحبت نصیب ہونے سے ملا۔ چنانچہ وہ صحابیؓ جس نے ایمان کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھا اور چند ہی لمحوں کے بعد ان کو موت آگئی ان کو ایسا درجہ نصیب ہو گیا کہ اگر ساری دنیا بڑے بڑے اولیاء، غوث، ابدال اور اقطاب سے بھر جائے تو اس صحابیؓ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

سیدنا امیر معاویہؓ کی فضیلت :

امام شافعیؒ سے کسی نے سوال پوچھا کہ حضرت! سیدنا امیر معاویہؓ کا درجہ بڑا ہے یا عمر بن عبدالعزیزؒ کا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ بعد کے دور کے تھے اور خلیفہ ء عادل تھے جبکہ سیدنا امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بہت لڑائیاں رہیں۔ اور انہی جنگوں کی وجہ سے حالات پر امن نہ تھے اس لئے اس آدمی نے ان دو شخصیات کے بارے میں سوال کیا۔ امام شافعیؒ نے ایسا جواب دیا جو سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا، ''جب سیدنا امیر معاویہؓ نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ جہاد کیلئے نکلے اور ان کے گھوڑے کے نتھنوں میں جو گرد اور مٹی جا پڑی، عمر بن عبدالعزیزؒ سے اس مٹی کا رتبہ بھی بڑا ہے''

پیر ککڑ چیر :

اللہ کرے کہ ہمیں کوئی ڈانٹنے والا ہو۔ آجکل پیر مرید بن کر رہتے ہیں اور مرید پیر بن کر رہتے ہیں۔ پیر مریدوں کی رضا حاصل کرنے کیلئے ان کی خدمت کرتے پھرتے ہیں۔ اس لئے کہ پیر کی نظر مرید کی جیب پر ہوتی ہے۔ ایسے دنیادار پیر '' پیر'' نہیں ہوتے، وہ تو '' پیڑ'' ہوتے ہیں۔ پتہ ہے کہ '' پیڑ'' کسے کہتے ہیں؟ 'پیڑ' درد کو کہتے ہیں۔ پیر ککڑ چیر۔ وہ پیر نہیں ہوتے بلکہ کلنک کا ٹیکہ (بدنامی کا دھبہ) ہوتے ہیں جنہوں نے اصل پیروں کو بھی بدنام کر رکھا ہے۔

ایک نقلی پیر کی حکایت :

حضرت اقدس تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ایک آدمی طالب صادق تھا کسی شیخ سے بیعت تھا۔ اس شیخ کی نظر اس کے مال پر تھی۔ اس آدمی نے ایک خواب دیکھا اور آکر پیر صاحب کو بیان کیا۔ کہنے لگا، حضرت! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے

ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور میرے ہاتھ پر گندگی لگی ہوئی ہے۔ بس پیر صاحب نے سنا تو فوراً کہہ اٹھے کہ یہ بالکل سچا خواب ہے کیونکہ ہم دیندار لوگ ہیں، ہمارے ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور تم دنیادار ہو اور تمہارے ہاتھ پر نجاست لگی ہوئی ہے۔ وہ کہنے لگا، حضرت! پورا خواب تو سنیں۔ پورا خواب کیا ہے؟ کہنے لگا کہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے منہ میں دیا ہوا ہے اور میں نے اپنا ہاتھ آپ کے منہ میں دیا ہوا ہے۔ مرید کو عقیدت کی وجہ سے شیخ سے پھر بھی فائدہ ہو رہا تھا مگر شیخ کی نظر چونکہ مرید کی جیب پر تھی اس لئے اس کو اس سے نقصان ہو رہا تھا۔

مرید کی ڈانٹ ڈپٹ کیوں ضروری ہے؟

آج کے دور میں کاملین لوگ کہاں نظر آتے ہیں جو استغناء کے ساتھ بندہ کو اللہ سے واصل کرنے کیلئے محنت کر رہے ہوں۔ اللہ کرے کہ ہم کاملین کی صحبت میں رہنے والے بن جائیں۔

شیخ کامل کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا ہے۔ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ 'دب' نہ ہو تو ادب پیدا نہیں ہوتا۔ جب ڈانٹ پڑتی ہے تو کئی دوست گھبرا جاتے ہیں۔ نہیں، بلکہ اسے تریاق سمجھیں کیونکہ مشائخ نے لکھا ہے کہ شیخ کی جس مرید پر زیادہ نظر ہوتی ہے شیخ اس کی زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتا ہے۔ یہ ڈانٹ ڈپٹ کرنا شیخ کا منصب ہوتا ہے۔ اور آج کے پیر تو "چپ شاہ" بنے ہوئے ہوتے ہیں، مرید جو کچھ کرتے پھریں، سنت پر عمل ہو رہا ہو یا بدعت پر، پیر صاحب تو چپ کر کے بیٹھے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں، اوجی! شاہ صاحب تو پہنچے ہوئے ہیں۔ ہاں، بچارے پہنچے ہوئے ہوتے ہیں مگر کہاں؟ جہنم میں یا جہالت کی تاریکیوں میں۔ ہمارے ہاں ایسی پیری مریدی نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں ڈانٹ ڈپٹ اور دین سیکھنے سکھانے کا نام

پیری مریدی ہے۔ شیخ کا منصب ایسا ہوتا ہے کہ جس میں ڈانٹنا اور کہنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر جراح کسی کو نشتر لگائے تو وہ ظلم نہیں ہوتا بلکہ وہ عین پیار ہوتا ہے' شفقت اور رحمت ہوتی ہے۔ گویا لوگ نشتر بھی لگواتے ہیں اور شفایاب ہو کر اسی طبیب کو دعائیں بھی دیا کرتے ہیں۔ شیخ کی ڈانٹ ڈپٹ بھی اسی نشتر کی مانند ہوتی ہے جس سے بندہ کے جسم کے جو ناسور ہوتے ہیں ان کا گندہ مواد نکالا جاتا ہے۔

ڈانٹتے وقت مشائخ کی کیفیت :

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب شیخ کسی کو ڈانٹتا ہے تو اپنے آپ کو اس سے افضل نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس کی حالت تو اس جلاد کی سی ہوتی ہے جس کو حکم دیا جائے کہ شہزادہ کی فلاں غلطی پر دو کوڑے لگاؤ۔ جلاد شہزادے کو کوڑے تو مار رہا ہو گا مگر اس کے دل میں اس شہزادے کی عظمت بھی ہو گی۔ شیخ تو اس احساس سے ڈانٹتے ہیں کہ جیسے کسی خوبصورت بچے نے اپنے چہرے پر مٹی لگالی ہے' اب اس کو دھودیں گے تو اندر سے چمکتا ہوا چہرہ نکل آئے گا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا عجز :-

مشائخ میں تو اتنا عجز ہوتا ہے کہ اگر ہمارے سامنے کھل جائے تو ہم حیران ہو جائیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ایک آدمی نے آکر کہا کہ فلاں بزرگ تو لوگوں کو بڑے استخارے کرنے کے بعد بیعت کرتے ہیں لیکن آپ کے پاس تو جو بھی آتا ہے آپ اسے بیعت کر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ میں تو ہر ایک کو اس لئے بیعت کر لیتا ہوں کہ اگر قیامت کے دن میرے مرید اپنے پیر کو جہنم میں جاتا ہوا دیکھیں گے تو کوئی تو ان میں سے ایسا ہو گا جو پیر کی شفاعت کرے گا۔ کسی ایک کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ پیر کو بھی جنت جانے کی توفیق دے دیں گے۔

پیر اور مولوی کے ہونٹوں کا سیمنٹ :-

ایک عجیب بات سنیں کہ حلوہ پیر اور مولوی کے ہونٹوں کا سیمنٹ ہے۔ یعنی جو پیر حلوے کھائے گا وہ مریدوں کی کیا اصلاح کرے گا؟ جو مولوی حلوے کھائے گا وہ لوگوں کو کیا دین سکھائے گا؟ وہ تو لوگوں کی رضا کے مطابق ان کو مسائل بتائے گا۔ ہمارے مشائخ کا یہی تو اعزاز ہے کہ انہوں نے حلووں پر نہیں بلکہ اللہ کے جلووں پر نظر رکھی ہے۔ دنیا کے طالب نہیں بلکہ وہ اللہ کے طالب بن کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَ طَالِبُهَا کِلَابٌ دنیا ایک مردار ہے اور اس کو چاہنے والے کتے ہیں۔

لمحہ ء فکریہ :-

میرے دوستو! آپ حضرات اپنے اوقات کی حفاظت کیجئے۔ یہ دو چار دن میرے اور آپ کیلئے سرمایہ بن جائیں گے، اگرچہ تھوڑے سے دن ہیں مگر فرق نہیں پڑتا، ہیں تو سہی۔ دیکھیں ایک بڑھیا "اٹی" لے کر جارہی تھی تاکہ حضرت یوسفؑ کو خرید سکے۔ کسی نے پوچھا، اماں! آپ کو وہاں کون پوچھے گا' وہاں تو بڑے بڑے امراء اور خریدار آئیں گے، شہزادے اور بادشاہ آئیں گے۔ وہ کہنے لگی، بیٹا! یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ میں حضرت یوسفؑ کو خرید تو نہیں سکوں گی مگر دل میں یہ بات ہے کہ قیامت کے دن جب اعلان ہوگا کہ حضرت یوسفؑ کے خریدار کہاں ہیں تو میں بھی خریداروں میں شامل ہو جاؤں گی۔

میرے دوستو! جب قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ میری یاد میں سفر کرنے والے کہاں ہیں؟ میری یاد میں بیوی بچوں کو چھوڑ کر مسجدوں کے دھکے کھانے والے کہاں ہیں؟ تو ممکن ہے کہ ہمیں بھی ان میں شمار کر لیا جائے۔ اگر ہم ان اوقات کی قدر

کرلیں گے تو یہ ہماری زندگی کا سرمایہ بن جائیں گے۔

اللہ رب العزت ہماری اصلاح فرمادے اور قیامت کے دن ہمیں بخش کئے ہوئے گناہ گاروں کی قطار میں شامل فرمالے۔(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ،اَمَّا بَعْدُ !
فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
○اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ
اَنْ یَحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَ حَمَلَھَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا
جَھُوْلاً ○وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ
عَلَّمَہٗ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ- سُبْحَانَ رَبِّکَ
رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

انسانیت کے لئے آب حیات :-

"کِتَابٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ " یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا "لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ " تاکہ آپ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ قرآن مجید انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی کتاب، بھٹکے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب، قعر مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پر پہنچانے والی کتاب اور اللہ سے بچھڑے ہوؤں کو اللہ سے ملانے والی کتاب ہے۔ قرآن مجید انسانیت کے لئے منشور حیات ہے، انسانیت کے لئے دستور حیات ہے، انسانیت کے لئے ضابطہ ء حیات ہے بلکہ پوری انسانیت

کے لئے آب حیات ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ "تَبَرَّكَ بِالْقُرْاٰنِ فَاِنَّهُ كَلَامُ اللّٰهِ وَ خَرَجَ مِنْهُ" (قرآن سے برکت حاصل کرو کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس سے صادر ہوا ہے)۔

عبادت ہی عبادت :-

قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس کا دیکھنا بھی عبادت ہے، اسکا چھونا بھی عبادت ہے، اس کا پڑھنا بھی عبادت ہے، اس کا پڑھانا بھی عبادت ہے، اس کا سننا بھی عبادت ہے، اس کا سنانا بھی عبادت ہے، اس کا سمجھنا بھی عبادت ہے، اس پر عمل کرنا بھی عبادت ہے اور اس کا حفظ کرنا بھی بہت بڑی عبادت ہے۔

رحمت الٰہی کی برسات :-

آپ نے دنیا میں مقناطیس دیکھے ہوں گے جو لوہے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن مجید اللہ رب العزت کی رحمتوں کو کھینچنے کا مقناطیس ہے۔ "وَاِذَا قُرِءَ الْقُرْاٰنُ" (اور جب قرآن پڑھا جائے) "فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوْا" (اس کو توجہ کے ساتھ سنو اور خاموش رہو) "لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (تاکہ تم پر رحمتیں برسائی جائیں)۔ گویا جس محفل میں قرآن پڑھا جائے یا سنا جائے یا بیان کیا جائے اس محفل پر اللہ رب العزت کی رحمتیں برسا کرتی ہیں۔ گویا رحمت الٰہی کی برسات شروع ہو جاتی ہے۔

دل کا برتن سیدھا کرلیں :-

جب آپ اپنے دلوں کے برتن کو سیدھا کر کے بیٹھیں گے تب اللہ تعالیٰ کی رحمتیں پائیں گے۔ بارش کتنی ہی موسلا دھار کیوں نہ ہو اگر کوئی برتن ہی الٹا پڑا ہو تو اس کے اندر ایک بوند بھی پانی نہیں آتا۔ یہ بارش کا قصور نہیں ہوتا بلکہ اس برتن کا قصور ہوتا

ہے جس کا رخ الٹا ہوتا ہے۔ فرمایا "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی "(اس قرآن میں نصیحت ہے اس کے لئے)"لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ"(جس کے اندر دل ہوتا ہے)اور جس کے اندر دل کی بجائے "سل" (پتھر) ہو، پھر کیا مزہ ؟ "اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ "(ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے)"وَهُوَ شَهِيْدٌ "(اور حاضر باش ہو کر بیٹھے)۔ یوں طلبگار بن کر بیٹھے گا تو اللہ رب العزت کی رحمتوں سے اپنا دامن بھر جائے گا۔

قرآن مجید پڑھنے کی لذت :۔

دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس کے حافظ دنیا میں موجود ہوں۔ یہ فقط قرآن عظیم الشان ہی کا مقام ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کا یاد کرنا اپنے بندوں کے لئے آسان فرمادیا ہے۔ سبحان اللہ، اس کتاب کو پڑھنے کی بھی عجیب لذت ہے کہ دنیا میں کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے کہ جس کو پڑھنے والے ایسے مختلف انداز سے پڑھتے ہوں جس طرح کہ یہ کتاب پڑھی جاتی ہے۔ یہ پڑھنے والوں کا کمال نہیں ہے بلکہ یہ اس کتاب کا کمال ہے جو مختلف انداز میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچے کبھی کسی روایت میں پڑھ رہے ہیں اور کبھی کسی روایت میں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اگر یہ بندوں کا کمال ہو تو یہی قراء دنیا کی کسی دوسری کتاب کو پڑھ کر دکھادیں۔ یہ اچھی آوازوں والے دنیا کی کسی دوسری کتاب کو اس طرح پڑھ کر دکھادیں تو پھر جانیں۔ معلوم ہوا کہ یہ کمال ان کا نہیں ہے بلکہ یہ کمال اس کمال والے کا ہے جس نے اپنی کتاب کا پڑھنا آسان فرمادیا ہے۔ سبحان اللہ

زندہ لوگوں کا شہر :۔

ایک وقت وہ بھی تھا جب اس قرآن کو تہجد کے وقت پڑھا جاتا تھا۔ مدینہ کی گلیوں میں سے اگر تہجد کے وقت کوئی آدمی چلتا تو ہر گھر سے تہجد میں قرآن پڑھنے کی یوں

آواز آرہی ہوتی جیسا کہ شہد کی مکھیوں کے بھنبھانے کی آواز ہوتی ہے۔ وہ زندہ لوگوں کا شہر تھا۔

ضمیر کی لاش :-

اور اگر رات کے آخری پہر میں ہم گلی کوچہ بازار سے گزریں تو یوں خاموشی ہوتی ہے جیسے انسانیت اپنے کندھے پر اپنے ضمیر کی لاش کو لے کر دفنانے کیلئے جارہی ہو۔ ساری قوم سوئی ہوئی ہوتی ہے۔ رات دو بجے تک ادھر ادھر کے فضول کاموں میں مشغول رہیں گے اور جب مانگنے کا وقت آئے گا تو اس وقت گھوڑے بیچ کر سو جائیں گے۔

قرآن سننے کے لئے فرشتوں کا نزول :-

ایک صحابیؓ اپنے گھر کے اندر تہجد میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ طبیعت ایسی مچل رہی تھی کہ جی چاہتا تھا کہ ذرا جہر (اونچی آواز) سے پڑھیں مگر قریب ہی ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا اور چارپائی پر بچہ لیٹا ہوا تھا۔ محسوس کیا کہ جب اونچا پڑھتا ہوں تو گھوڑا بدکتا ہے۔ لہٰذا دل میں خوف پیدا ہوا کہ گھوڑا کہیں بچے کو نقصان نہ پہنچادے۔ پھر آہستہ پڑھنا شروع کر دیتے۔ ساری رات یہی معاملہ ہوتا رہا۔ جب تہجد مکمل کی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ ستاروں کی مانند روشنیاں ہیں جو ان کے سر کے اوپر آسمان کی طرف واپس جارہی ہیں۔ یہ ان روشنیوں کو دیکھ کر حیران ہوئے۔

صبح ہوئی تو وہ صحابیؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں نے رات کو تہجد اس انداز سے پڑھی کہ بچے کے خوف کی وجہ سے آہستہ پڑھتا تھا اور جی چاہتا تھا کہ ذرا آواز کے ساتھ پڑھوں مگر دعا کے وقت

میں نے کچھ روشنیاں آسمان کی طرف جاتے دیکھیں۔ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ رب کریم کے فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سننے کے لئے عرش رحمان سے نیچے اتر آئے تھے۔ اگر تم اونچی آواز سے قرآن پڑھتے رہتے تو آج مدینہ کے لوگ اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو دیکھ لیتے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

ابو بکرؓ و عمرؓ کا قرآن پڑھنا :-

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ تہجد کا وقت تھا۔ ایک طرف دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نوافل پڑھ رہے ہیں اور آہستہ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اور دوسری طرف عمر ابن الخطابؓ ذرا جہر (اونچی آواز) سے قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ تہجد میں دونوں طرح پڑھنے کی اجازت ہے۔ جب دونوں غلام پڑھ چکے تو حاضر خدمت ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا، ابو بکر! تم آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں اس ذات کو قرآن سنا رہا تھا جو سینوں کے بھید بھی جانتی ہے، مجھے بھلا اونچا پڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا، عمر! تم اونچا کیوں پڑھ رہے تھے؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں سوئے ہوؤں کو جگا رہا تھا، شیطان کو بھگا رہا تھا۔ سبحان اللہ، قرآن پڑھا جاتا تھا اور شیطان ان جگہوں سے بھاگ جایا کرتا تھا۔ اللہ رب العزت کی رحمتیں ہوتی تھیں۔ آج بھی اگر کوئی انسان اس قرآن کو محبت سے پڑھے گا تو اللہ رب العزت کی رحمتیں اتریں گی اور اس کی برکت سے سینے روشن ہو جائیں گے۔ اسی لئے فرمایا "لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" کہ یہ قرآن انسانوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

خلوص ہو تو ایسا :-

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابی ابن کعبؓ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں استاد اور قاری کی حیثیت سے مشہور تھے۔ نبی اکرم ﷺ قریب سے گزرے اور کھڑے ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ تشریف لائے ہیں تو وہ بھی خاموش ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے ابن کعبؓ! قرآن پڑھو۔ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ ! یہ آپ پر نازل ہوا ہے، میں آپ کے سامنے کیسے پڑھوں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، ہاں مجھے اسی طرح حکم دیا گیا ہے۔ وہ بھی رمز شناس تھے۔ فوراً پہچان گئے کہ اوپر سے اشارہ ہوا ہے۔ چنانچہ پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ ! "ءَ اَللّٰهُ سَمَّانِي" (کیا اللہ رب العزت نے میرا نام لے کر کہا ہے) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، "نَعَمَ اللّٰهُ سَمَّاكَ" ہاں اللہ رب العزت نے تیرا نام لے کر کہا ہے کہ ابن کعب سے کہو کہ قرآن پڑھے، میرے محبوب! آپ بھی سنیں گے اور میں پروردگار بھی سنوں گا۔ سبحان اللہ، وہ کتنے خلوص کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوں گے کہ جن سے قرآن سننے کی فرمائشیں رب رحمان کی طرف سے آیا کرتی تھیں۔ اللہ اکبر۔

ایک عجیب شکوہ :-

سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ نے ایک مرتبہ سردیوں کی لمبی رات میں تہجد کے وقت دو رکعت نفل کی نیت باندھی۔ طبیعت میں کچھ ایسا جذب، سوز اور کیف تھا کہ جی چاہتا تھا کہ پڑھتی رہوں پڑھتی رہوں۔ ایک ایک آیت کو مزے لے لے کر پڑھتی رہیں۔ انہوں نے خوب قرآن پڑھا۔ سلام پھیرا تو کیا دیکھتی ہیں کہ صبح صادق قریب ہے۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور رونے بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں، اے اللہ! میں نے تو دو

رکعت کی ہی نیت باندھی تھی تیری رات بھی کتنی چھوٹی ہے کہ دو رکعت میں تیری رات مکمل ہو گئی۔ انہیں راتوں کے چھوٹا ہونے کا شکوہ ہوا کرتا تھا کیونکہ جب وہ قرآن پڑھتے تھے تو ان کو قرآن پاک کی لذت آیا کرتی تھی۔

قرآن سے لگاؤ کا ایک عجیب واقعہ :-

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ جہاد سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور ارشاد فرمایا کہ دو آدمی رات کو پہرہ دیں تاکہ بقیہ لوگ آرام کی نیند سو سکیں۔ دو صحابہ کرامؓ نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر چلے جاؤ اور دشمن کا خیال رکھو، ایسا نہ ہو کہ دشمن شب خون مارے اور لوگوں کو نقصان ہو۔ وہ دونوں صحابہؓ پہاڑ کی چوٹی پر چلے گئے۔ تھوڑی دیر تو بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپس میں مشورہ کیا کہ اگر دونوں جاگتے رہے تو ممکن ہے کہ آخری پہر میں دونوں کو نیند آجائے تو بہتر یہ ہے کہ ایک بندہ ابھی سو جائے اور دوسرا جاگتا رہے، بعد میں دوسرا جاگ جائے اور پہلا سو جائے۔ اس طرح فرض منصبی بھی پورا ہو جائے گا اور وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔ چنانچہ ان میں سے ایک سو گئے اور دوسرے جاگتے رہے۔ جو صحابیؓ جاگ رہے تھے انہوں نے سوچا کہ میں خاموشی سے فقط ادھر ادھر دیکھ رہا ہوں کتنا ہی اچھا ہو کہ میں دو رکعت ہی پڑھ لوں۔ چنانچہ دو رکعت کی نیت باندھی اور سورۃ کہف پڑھنا شروع کر دی۔ سورۃ کہف پڑھنے میں کچھ ایسا مزہ آیا کہ پڑھتے ہی رہے۔ اسی اثناء میں دشمن ادھر کہیں آنکلا۔ اس نے دیکھا کہ لشکر تو سویا ہوا ہے، قریب کوئی ایسا تو نہیں جو پہرے میں ہو۔ اس نے اوپر پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا تو ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔ اس نے دور ہی سے ایک تیر مارا جو ان کے جسم پر لگا اور خون نکل آیا۔ مگر وہ سورۃ کہف پڑھتے رہے۔ دوسرا تیر مارا تو خون دوسری جگہ سے نکل آیا مگر پھر بھی قرآن پڑھتے رہے۔ اس طرح کئی تیر

ان کے جسم میں لگے اور خون نکلتا رہا۔ خون نکلنے سے وضو کے ٹوٹنے کا مسئلہ اس وقت تک واضح نہیں ہوا تھا۔وہ قرآن پڑھتے رہے پڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ محسوس ہوا کہ جسم سے اتنا خون نکل چکا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کمزوری کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر جاؤں، اگر گر گیا تو پھر میرے بھائی کو کون جگائے گا اور لشکر کی حفاظت کون کرے گا، یہ تو ذمہ داری میں کوتاہی ہو گی۔ لہٰذا جلدی سے سلام پھیرا اور بھائی کو جگا کر کہنے لگے کہ دشمن تیروں پر تیر مارتا رہتا تو میں ان کو کھاتا رہتا مگر سورۃ کہف کو مکمل کئے بغیر میں کبھی سلام نہ پھیرتا، مجھے قرآن کے پڑھنے میں یوں مزہ آرہا تھا۔ سبحان اللہ

میرے دوستو! ہمارے اوپر مکھی آکر بیٹھتی ہے تو ہماری نماز کی کیفیت بدل جاتی ہے، ایک مچھر آکر ہماری نماز کے خشوع کو ختم کر دیتا ہے مگر ان لوگوں کو تیروں پر تیر لگتے تھے اور ان کی نمازوں میں خلل نہیں آتا تھا۔

تلاوت قرآن کے وقت صحابہؓ کی کیفیت :-

آج ہم جس طرح آئس کریم کھاتے ہیں تو ہمیں ہر ہر چمچ کے کھانے پر مزہ آتا ہے بالکل اسی طرح اللہ والے جب قرآن مجید پڑھتے ہیں تو ان کو بھی ہر ہر آیت کے پڑھنے پر مزہ آتا ہے جب وہ قرآن سنتے ہیں تو ان کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا" وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ "وہ قرآن سنتے تھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں دواں ہو جاتے تھے۔" يَقُوْلُوْنَ"وہ کہا کرتے تھے،" رَبَّنَآ اٰمَنَّا "اے پروردگار! ہم ایمان لائے۔"فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ" اے اللہ! ہمیں گواہی دینے والوں میں سے لکھ لے۔" وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ "سبحان اللہ، جب وہ قرآن پڑھتے سنتے ہوئے یوں

دعائیں مانگتے تھے تو رب کریم کی طرف سے فرمان آتا تھا، " فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا " وہ جو کچھ اللہ سے مانگتے تھے تو رب کریم ان کو وہ تمام کچھ عطا فرما دیتے تھے۔

سبحان اللہ

قرآن مجید سے عشق :-

ہر دور اور ہر زمانے میں اس قرآن سے عشق کرنے والے گزرے ہیں۔ دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس سے اس قدر محبت کی گئی ہو جتنی قرآن سے محبت کی گئی۔ اسے تنہائیوں میں پڑھا گیا، اسے محفلوں میں پڑھا گیا، اسے رات کے اندھیروں میں پڑھا گیا، اسے دن کے اجالے میں پڑھا گیا، اسے تحت اللفظ پڑھا گیا، اسے بلند آواز سے پڑھا گیا، اسے پڑھ کر رویا گیا، اسے سن کر رویا گیا، اس کے ایک ایک لفظ پر محنت کی گئی، ایک ایک لفظ کو حفظ کیا گیا، ایک ایک لفظ کے معنیٰ کو سمجھا گیا۔ اس سے محبت کرنے والوں نے اپنی پوری پوری زندگی قرآن کی خدمت کرتے کرتے گزار دی اور بالآخر یہ کہتے گئے، اے اللہ! تو ہمیں اگر عمر نوحؑ عطا کر دیتا تو ہم پوری زندگی اس قرآن کو پڑھنے پڑھانے میں گزار دیتے۔ بھلا دنیا میں کوئی اور کتاب ہے جس سے انسان نے یوں محبت کی ہو۔ سبحان اللہ

قرآن مجید کا ایک عجیب معجزہ :-

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ایسا عظیم الشان کلام ہے جس کے معجزے ہر دور میں نظر آتے رہے۔ **1987**ء کی بات ہے کہ اس عاجز کو امریکہ میں کچھ وقت گزارنے کا موقعہ ملا۔ اس وقت مصر کے مشہور قاری عبدالباسط، جن کی کیسٹیں آپ اکثر سنتے رہتے ہیں، وہ بھی وہاں تشریف لائے۔ کچھ ایسا سلسلہ ہوا کہ مختلف محفلوں میں وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے اور یہ عاجز کہیں اردو میں کہیں انگلش میں، جیسا مجمع ہوتا تھا

اسی کے حساب سے کچھ باتیں عرض کردیا کرتا تھا۔ اسی انداز سے مختلف جگہوں پر پروگرام ہوتے رہے۔ آپ کو پتہ ہی ہے کہ قاری عبدالباسط کتنا ڈوب کر قرآن پڑھتے تھے۔ اللہ کریم نے ان کو آواز بھی ایسی دی تھی کہ جو ان کی زبان سے قرآن سنتا تھا وہ عش عش کر اٹھتا تھا۔ ان کو اس عاجز سے اتنی محبت تھی کہ وہ میرا نام لے کر مجھ سے بات نہیں کرتے تھے، بلکہ جب بھی بات کرنی ہوتی تو وہ مجھے "رجل صالح" کہہ کر بات کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا، قاری صاحب! آپ اتنا مزے کا قرآن مجید پڑھتے ہیں، آپ نے بھی کبھی قرآن مجید کا معجزہ دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگے، قرآن کا ایک معجزہ؟ معلوم نہیں کہ میں نے قرآن مجید کے سینکڑوں معجزے آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ انہوں نے کہا، کوئی ایک تو سنا دیجئے۔ تو یہ واقعہ انہوں نے خود سنایا۔

قاری صاحب فرمانے لگے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب جمال عبدالناصر مصر کا صدر تھا۔ اس نے رشیا (روس) کا سرکاری دورہ کیا۔ وہاں پر کمیونسٹ حکومت تھی۔ اس وقت کیمونزم کا طوطی بولتا تھا۔ دنیا اس سرخ انقلاب سے گھبراتی تھی۔ دنیا میں اس کو ریچھ سمجھا جاتا تھا۔ آج تو اس سپر پاور کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کی برکت سے صفر پاور بنادیا ہے،...... جمال عبدالناصر ماسکو پہنچا۔ اس نے وہاں جاکر اپنے ملکی امور کے بارے میں کچھ ملاقاتیں کیں۔ ملاقاتوں کے بعد انہوں نے تھوڑا سا وقت تبادلہ خیالات کے لئے رکھا ہوا تھا۔ اس وقت وہ آپس میں گپیں مارنے کے لئے بیٹھ گئے۔ جب آپس میں گپیں مارنے لگے تو ان کیمونسٹوں نے کہا، جمال عبدالناصر! تم کیا مسلمان بنے پھرتے ہو، تم ہماری سرخ کتاب کو سنبھالو، جو کیمونزم کا بنیادی ماخذ تھا، تم بھی کیمونسٹ بن جاؤ، ہم تمہارے ملک میں ٹیکنالوجی کو روشناس کرادیں گے، تمہارے ملک میں سائنسی ترقی بہت زیادہ ہو جائے گی اور تم دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں شمار ہو جاؤ گے، اسلام کو چھوڑ دو اور کیمونزم اپنالو۔ جمال عبدالناصر نے انہیں اس کا جواب دیا

تو سہی مگر دل کو تسلی نہ ہوئی۔ اتنے میں وقت ختم ہو گیا اور واپس آگیا۔ مگر دل میں کسک باقی رہ گئی کہ نہیں مجھے اسلام کی حقانیت کو اور بھی زیادہ واضح کرنا چاہئے تھا، جتنا مجھ پر حق بنتا تھا میں اتنا نہیں کر سکا۔ دو سال کے بعد جمال عبد الناصر کو ایک مرتبہ پھر رشیا جانے کا موقعہ ملا۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے صدر کی طرف سے لیٹر ملا کہ آپ نے تیاری کرنی ہے اور میرے ساتھ ماسکو جانا ہے۔ کہنے لگے کہ میں بڑا حیران ہوا کہ قاری عبد الباسط کی تو ضرورت پڑے سعودی عرب میں، عرب امارات میں، پاکستان میں، جہاں مسلمان بستے ہیں۔ ماسکو اور رشیا جہاں خدا بے زار لوگ موجود ہیں، دین بے زار لوگ موجود ہیں وہاں قاری عبد الباسط کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ خیر تیاری کی اور میں صدر صاحب کے ہمراہ وہاں پہنچا۔

وہاں انہوں نے اپنی میٹنگ مکمل کی۔ اس کے بعد تھوڑا سا وقت تبادلہء خیالات کے لئے رکھا ہوا تھا۔ فرمانے لگے کہ اس مرتبہ جمال عبد الناصر نے ہمت سے کام لیا اور ان سے کہا کہ یہ میرے ساتھی ہیں جو آپ کے سامنے کچھ پڑھیں گے، آپ سنئے گا۔ وہ سمجھ نہ پائے کہ یہ کیا پڑھے گا۔ وہ پوچھنے لگے کہ یہ کیا پڑھے گا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ قرآن پڑھے گا۔ انہوں نے کہا، اچھا پڑھے۔ فرمانے لگے کہ مجھے اشارہ ملا اور میں نے پڑھنا شروع کیا۔ سورۃ طٰہٰ کا وہ رکوع پڑھنا شروع کر دیا جسے سن کر کسی دور میں حضرت عمر ابن الخطابؓ بھی ایمان لے آئے تھے۔ "طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى اِلاَّ تَذْكِرَةً لِمَنْ يَّخْشٰى .... اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلآَّ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ "فرماتے ہیں کہ میں نے جب دو رکوع تلاوت کر کے آنکھ کھولی تو میں نے قرآن کا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سامنے بیٹھے ہوئے کمیونسٹوں میں سے چار یا پانچ آدمی آنسوؤں سے رو رہے تھے۔ جمال عبد الناصر نے پوچھا، جناب! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ وہ کہنے لگے ہم تو کچھ نہیں سمجھے کہ آپ کے ساتھی نے کیا

پڑھا ہے مگر پتہ نہیں کہ اس کلام میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ ہمارا دل موم ہو گیا، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں، اور ہم کچھ بتا نہیں سکتے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا...... سبحان اللہ، جو قرآن کو مانتے نہیں، قرآن کو جانتے نہیں اگر وہ بھی قرآن سنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بھی تاثیر پیدا کر دیا کرتے ہیں۔

ایک غیر مسلم پر سورۃ فاتحہ کا اثر :۔

امریکہ میں جب کوئی آدمی بہت زیادہ سکون محسوس کرتا ہے تو کہتا ہے "I am feeling natural high" کہ میں قدرتی طور پر بہت زیاہ سکون محسوس کر رہا ہوں۔ امریکہ کا ایک امیر آدمی تھا جس کی زندگی میں سکون نہیں تھا۔ اس وجہ سے اس کے سر میں درد اکثر رہتا تھا۔

ہمارے ایک دوست ''مسٹر احمد'' کسی سرکاری کام کے سلسلہ میں وہاں گئے اور ایک مکان میں رہائش اختیار کر لی۔ اس مکان کے قریب ہی وہاں کے مقامی لوگوں نے ایک مسجد بنائی ہوئی تھی۔ مسٹر احمد نے بھی وہاں نماز پڑھنا شروع کر دی۔ تاہم اس امیر آدمی سے اس کی دوستی ہو گئی۔ اس کا مکان بھی قریب ہی تھا۔

ایک دفعہ مسٹر احمد نماز پڑھنے کے لئے اپنے گھر سے نکلے تو اس انگریز نے پیچھے سے آواز دے کر کہا، مسٹر احمد! مسٹر احمد! ادھر آئیں، میں آپ کو گانا سنانا چاہتا ہوں۔ مسٹر احمد نے کہا، میں گانا سننے سے نفرت کرتا ہوں اور اب میں نماز کے لئے جا رہا ہوں، میں نہیں آسکتا۔ اس نے اصرار کرتے ہوئے۔ پھر وہی بات دوہرائی۔ بالآخر وہ کہنے لگا، مسٹر احمد! میں آپ کو وہ گانا سنانا چاہتا ہوں جو آپ اس مینار سے روزانہ پانچ مرتبہ سنتے ہو۔

مسٹر احمد فرماتے ہیں کہ میں سمجھا کہ شاید اذان کی بات کر رہا ہے۔ چنانچہ میں اس کے پاس آگیا۔ وہ مجھے اپنے گھر میں ایک تنہا کمرے میں لے گیا۔ اس نے اس کمرے

میں ٹیبل پر ایک طبلہ رکھا ہوا تھا۔ اس نے کمرہ بند کر دیا اور طبلہ بجانا شروع کر دیا۔ میں پریشان تھا کہ جماعت کا وقت نکل جائے گا۔ مگر اس نے تھوڑی دیر کے بعد طبلہ کی سر پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" پڑھنا شروع کر دیا۔ میں تو سمجھ گیا کہ حقیقت میں وہ کیا پڑھ رہا تھا۔ اس نے گانے کی سر بنا کر پوری سورۃ فاتحہ پڑھ دی۔ میں نے بعد میں اس سے پوچھا کہ تو نے یہ گانا کس سے حاصل کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھے بہت زیادہ ذہنی پریشانی رہتی تھی۔ مصر میں میرے ایک مسلمان دوست رہتے ہیں۔ میں نے ان سے اپنی ذہنی پریشانی بیان کی تو انہوں نے مجھے یہ گانا دیا اور کہا کہ جب تمہیں بہت زیادہ پریشانی ہو تو کسی تنہا کمرے میں بیٹھ کر پڑھ لیا کرو، تمہیں سکون مل جایا کرے گا۔ اس کے بعد جب بھی مجھے کوئی پریشانی ہوتی ہے تو میں اسی طرح یہاں بیٹھ کر یہ گانا گا لیتا ہوں تو مجھے بہت زیادہ سکون ملتا ہے۔ اور پھر میں اپنے دوستوں کو بتاتا ہوں کہ

"I am feeling natural high." کہ میں قدرتی طور پر بہت زیادہ سکون محسوس کر رہا ہوں۔

میرے دوستو! جو لوگ قرآن پاک کو جانتے نہیں، مانتے نہیں اگر وہ اس کتاب کو پڑھتے ہیں تو ان کو سکون ملتا ہے، اگر ہم اپنی زندگیوں میں قرآن پاک کے احکام کو لاگو کر لیں تو کیا ہماری پریشانیاں ختم نہیں ہوں گی۔

حضرت مرشد عالمؒ کا فرمان :-

میرے پیرو مرشد فرمایا کرتے تھے کہ دریاؤں کا راستہ کس نے بنایا؟ کوئی نہیں بناتا۔ دریا اپنا راستہ خود بنا لیا کرتے ہیں۔ یہ قرآن بھی رحمت کا وہ دریا ہے جو سینوں میں اپنے راستے خود بنا لیا کرتا ہے، سینوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ اسی لئے بعض کفار

جب قرآن سنتے تھے تو فوراً اسلام قبول کر لیتے تھے۔

نسخہ ءکیمیا :-

ہم سے پہلے والوں کو بھی اسی قرآن کی وجہ سے عزتیں نصیب ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ غار حرا سے یہی تو لے کر آئے تھے۔ کسی کہنے والے نے کہا،

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ ء کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

وہ نسخہ ءکیمیا قرآن ہی تو تھا جس نے عرب کی زمین ہلا کر رکھ دی تھی۔

صحابہ کرامؓ کا قرآن پر عمل :-

صحابہ کرامؓ اسی قرآن کو سینے سے لگا کر نکلے تھے اور جدھر بھی ان کے قدم پڑتے تھے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ یہ قرآن ہی کی برکت ہے کہ افریقہ کے جنگلوں میں رہنے والے درندوں نے صحابہ کرامؓ کے لئے جنگل خالی کر دیئے، یہ قرآن ہی کی برکت ہے کہ دشت و صحرا بھی صحابہ کرامؓ کے لئے ان کے مشن کی تکمیل میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ کہنے والے نے کہا،

بات کیا تھی کہ نہ قیصر و کسریٰ سے دبے
چند وہ لوگ کہ اونٹوں کے چرانے والے
جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
بن گئے دنیا کی تقدیر بنانے والے

دنیا کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ قرآن پڑھتے تھے تو اس پر عمل بھی کرتے

تھے۔ ادھر قرآن مکمل ہوتا تھا اور ادھر ان کا عمل قرآن کے مطابق ہو جایا کرتا تھا۔ وہ صرف حافظ قرآن نہ تھے، وہ صرف قاری قرآن نہ تھے بلکہ وہ عامل قرآن ہوا کرتے تھے، وہ ناشر قرآن ہوا کرتے تھے، وہ عاشق قرآن ہوا کرتے تھے۔

حضرت سیدنا عمرؓ کی عزت افزائی :-

صحابہ کرامؓ میں سے کتنے حضرات ایسے تھے جن کو قرآن کی وجہ سے اللہ نے وہ شرف عطا فرمایا جو ان کو پہلے حاصل نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں ایک لشکر کے ساتھ کسی راستے میں جاتے ہوئے پہاڑی کے دامن میں رک گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ لوگوں کو پسینہ آچکا تھا اور سخت تنگی کے عالم میں تھے۔ چونکہ امیر المومنین کھڑے تھے اس لئے ساری فوج بھی ساتھ ہی انتظار میں کھڑی تھی۔ امیر المومنین نیچے وادی کو دیکھ رہے تھے۔ قریب والے آدمی نے پوچھا، امیر المومنین! کیا ہوا کہ آپ یہاں کھڑے کچھ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کی وجہ سے پورا لشکر کھڑا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں اس وادی میں لڑکپن میں اسلام لانے سے پہلے اپنے اونٹ چرانے کے لئے آتا تھا لیکن مجھے اونٹ چرانے کا سلیقہ نہیں آتا تھا۔ میرے اونٹ خالی پیٹ گھر جاتے تو میرا والد خطاب مجھے مارتا تھا، مجھے کوستا اور کہتا تھا، عمر! تو بھی کیا کامیاب زندگی گزارے گا، تجھے تو اونٹ چرانے کا سلیقہ نہیں آتا۔ میں اپنے اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب عمر کو اونٹ چرانے نہیں آتے تھے اور آج اس وقت کو دیکھ رہا ہوں جب قرآن اور اسلام کے صدقے اللہ نے عمر کو امیر المومنین بنا دیا ہے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ فرماتے تھے "اَعَزَّنَا اللّٰہُ تَعَالیٰ بِھٰذَا الدِّیْنِ" (اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دین کی برکت سے عزتیں عطا فرمائیں)

محترم جماعت اس قرآن کو پڑھیے، اس کو یاد کیجیے اور اس کو زندگی میں لاگو کیجیے۔

اسے پڑھنا ایک کام ہے، پورا کام نہیں۔اس پر عمل کرنے سے کام مکمل ہوتا ہے۔ ہم نے عامل قرآن بھی بننا ہے، اس قرآن کے عاشق بن جائیے۔ دعا کیا کیجئے کہ رب کریم! قرآن کو ہمارے سینوں کی بہار بنادے۔

نسل در نسل قرآن کا فیض :-

آج بھی دنیا میں قرآن کے عاشق موجود ہیں۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ لاہور میں ایک عالم دین سلسلہ عالیہ میں بیعت ہوئے۔ فقیر نے ان کی مسجد میں درس قرآن دیا۔اس کے بعد انہوں نے ناشتہ کے لئے گھر دعوت دی۔ وہ کہنے لگے، کہ میرے والد بڑے ہی عاشق قرآن تھے۔ وہ ہر وقت قرآن پڑھتے رہتے تھے۔ میں نے کہا، ذرا آپ ان کا کوئی واقعہ ہی سنا دیجئے۔ تو انہوں نے اپنے والد کا واقعہ سنایا۔ کہنے لگے کہ میرے والد محترم ایسے عاشق قرآن تھے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنا لیا تھا۔ چلتے پھرتے قرآن پڑھتے تھے، بیٹھ کر بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ کوئی بات درمیان میں پوچھتا تو تلاوت مکمل کر کے جواب دیتے تھے پھر قرآن پڑھنے لگ جاتے۔

ایک مرتبہ کسی اللہ والے نے ان کو بتا دیا کہ اگر آپ دو سال میں روزانہ ایک قرآن پاک کی تلاوت کریں تو قرآن پاک کا فیض آپ کی آنے والی نسلوں تک جاری ہو جائے گا۔ میرے والد صاحب کو یہ بات اچھی لگی اور انہوں نے کہا، اچھا میں اس کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ فرمانے لگے کہ میرے والد صاحب کا معمول تھا کہ روزانہ ایک قرآن مجید کی تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ سردی بھی گرمی بھی، صحت بھی بیماری بھی، سفر بھی حضر بھی، رنج و مصیبت بھی خوشی بھی، معلوم نہیں کیا کیا کیفیتیں ہوتی تھیں مگر میرے والد صاحب نے پورے دو سال تک ایک قرآن پاک روزانہ مکمل کیا۔ فرمانے لگے کہ اس کا یہ اثر ہوا کہ میرے والد صاحب کے جتنے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں

سب کے سب قرآن کے حافظ ہوئے۔ اور ان کے آگے جتنے بیٹے اور بیٹیاں آج دنیا میں موجود ہیں اور ان کی عمر سات سال ہے یا زیادہ ہے وہ سب کے سب قرآن پاک کے حافظ ہیں۔ سبحان اللہ

دیکھئے کہ عاشق قرآن کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کا فیض کیسے جاری فرمادیا۔

قرآن پاک کی شفاعت :۔

قرآن پاک قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قرآن کو ایک نوجوان کی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ قرآن مجید اللہ رب العزت سے شفاعت کرے گا کہ اے اللہ ! جن لوگوں نے مجھے یاد کیا، جو تلاوت کرتے تھے، انہوں نے میرا حق ادا کردیا، وہ میرے مونس و غمگسار تھے، مجھ سے محبت کرنے والے تھے، میں ان کا مہمان تھا انہوں نے مہمان نوازی کا حق ادا کردیا۔ اے اللہ ! ان کو جنت میں بھیج دے۔ رب کریم قرآن مجید کی شفاعت قبول فرما کر ایسے لوگوں کو بلا حساب و کتاب جنت عطا فرمادیں گے۔

محترم جماعت ! قرآن سے محبت کیجئے، قرآن کو حرز جان بنالیجئے، ہر وقت اس کو پڑھتے رہئے اور اس کے فیضان سے اپنے دلوں کو منور کرتے رہئے۔ زندگی میں بھی کامیابی ہوگی اور آخرت میں بھی اللہ رب العزت کامیابی سے ہمکنار فرمادیں گے۔

قرآن پڑھنے والے کی شان :۔

یاد رکھنا کہ جو بندہ عالم قرآن بنے گا یا حافظ قرآن بنے گا یا قاری بنے گا، رب کریم اس کے اخلاص کی وجہ سے اس کو دنیا میں بھی وقار عطا فرمائیں گے کہ دنیا اس کے قدموں میں آکر بیٹھنا اپنے لئے سعادت سمجھے گی۔ جو انسان اس کتاب کے ساتھ نتھی

ہو کر اپنی نسبت کو پکا کر لیتا ہے وہ انسان بھی عزت والا بن جاتا ہے۔ اسی لئے شاعر نے کہا:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

پھر انسان لگتا تو یوں ہے کہ قرآن پڑھنے والا قاری ہے لیکن جب اس پر عمل کر لیتا ہے تو یہ چلتے پھرتے قرآن کی مانند ہو جاتا ہے۔

مجسم شکل میں قرآن :-

کسی نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ رسول اکرم ﷺ کے اخلاق کیا ہیں؟ فرمایا، "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ" کہ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق تو قرآن کا نمونہ تھے۔ اگر قرآن کو کوئی مجسم شکل میں دیکھنا چاہتا ہے تو میرے محبوب ﷺ کو دیکھ لے۔ آپ چلتے پھرتے قرآن کی مانند تھے۔ آج بھی جو انسان اس قرآن کی آیات کو اپنے اوپر لاگو کر لیتا ہے وہ چلتے پھرتے قرآن کی مانند بن جاتا ہے۔ جدھر قدم پڑتے ہیں ادھر ہی برکتیں ہوتی ہیں۔ جدھر اس کی نگاہ پڑتی ہے ادھر ہی رحمتیں ہوتی ہیں۔

سورۃ بقرہ کی اڑھائی سال میں تعلیم :-

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سورۃ بقرہ کو اڑھائی سال میں مکمل کیا۔ ان کی مادری زبان تو عربی تھی، ان کو پڑھنے میں پھر کیا دقت تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ قرآن کی آیت پڑھتے تھے تو اس پر عمل کرتے تھے، ادھر قرآن مکمل ہوتا تھا اور ادھر ان کا عمل قرآن کے مطابق ہو جاتا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ کے عمل

بالقرآن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "كَانَ وِقَّافًا عِنْدَ حُدُوْدِاللّٰهِ" وہ اللہ کے احکام سن کر اپنی گردن جھکا دیا کرتے تھے۔

سیدنا حسینؓ کا سبق آموز واقعہ :-

سیدنا حسینؓ ایک مرتبہ گھر میں تشریف فرما تھے۔ ایک مہمان آیا۔ آپ نے اسے بٹھا کر باندی سے فرمایا، جاؤ اس مہمان کے لئے کچھ لے کر آؤ۔ گھر کے اندر کچھ شوربہ تھا۔ اس باندی نے وہی شوربہ گرم کیا۔ پیالے میں ڈال کر لانے لگی۔ جب دروازے میں سے داخل ہونے لگی تو اس وقت بے توجہی کی وجہ سے اس کا پاؤں اٹکا اور وہ شوربہ نیچے گرا۔ اس کے کچھ قطرے آپ کے جسم مبارک پر بھی گرے۔ چونکہ شوربہ گرم تھا اور گرم شوربہ اگر جسم پر پڑے تو جسم جلتا ہے، آپ کو تکلیف ہوئی اس لئے سیدنا حسینؓ نے اس باندی کی طرف غصے کے ساتھ دیکھا۔ وہ باندی پہچان گئی کہ آپ کو بہت غصہ آیا۔ مگر وہ آپ کی زندگی کے اصول و ضوابط کو جانتی تھی۔ جب آپ نے غصہ اور جلال سے اس کی طرف دیکھا تو وہ فوراً کہنے لگی "وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ" قرآن کی وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ مومنین کی صفات گنواتے ہیں کہ وہ تو غصے کو پی جانے والے ہوتے ہیں۔ آپ نے فوراً کہا کہ میں نے اپنے غصے کو پی لیا ہے۔ وہ کہنے لگی" وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ "انسانوں کو معاف کرنے دینے والے۔ آپ نے فرمایا، جا میں نے تیری غلطی کو معاف کر دیا۔ کہنے لگی، "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" اللہ تعالیٰ نیکو کاروں سے محبت کرتے ہیں۔ آپ فرمانے لگے، جا میں نے تجھے اللہ کے راستے میں آزاد کر دیا۔

سبحان اللہ، اسی لمحے اس کو غصے سے دیکھ رہے تھے اور اسی لمحے اس کو اللہ کے

راستے میں آزاد کر دیا۔وہ قرآن سنتے چلے جاتے تھے اور زندگیوں کو بدلتے چلے جاتے تھے۔

قرآن مجید سے ہمارا سلوک :-

جب ہماری زندگی میں قرآن مجید کے ساتھ ایسا عملی تعلق پیدا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عزتیں عطا فرمائیں گے۔ عزیز طلباء! آپ تو اپنی زندگیاں قرآن کے لئے وقف کر چکے ہیں، عوام الناس کی حالت جا کر دیکھو رونا آتا ہے۔ گھروں کے اندر قرآن کو ریشمی غلافوں میں رکھ دیتے ہیں مگر ان کو پڑھنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ آج کل گھروں کے اندر ٹی وی روزانہ آن کیا جاتا ہے، ڈرامے روزانہ دیکھے جاتے ہیں، روزانہ گھنٹوں پروگرام دیکھے جاتے ہیں، اخبار روزانہ پڑھا جاتا ہے، ڈائجسٹ روزانہ پڑھا جاتا ہے مگر ان گھروں میں مہینوں گزر جاتے ہیں کہ کوئی بندہ بھی اللہ کا قرآن کھولنے والا نہیں ہوتا۔ سارے کے سارے قرآن سے غافل بن کر زندگی گزارتے ہیں۔ان کو قرآن کب یاد آتا ہے؟ جب بہو بیٹی کو جہیز میں دینا ہو یا پھر اس وقت یاد آتا ہے جب قسم کھا کر کسی کو یقین دہانی کروانا ہو، آگے پیچھے یاد نہیں آتا۔

اے کاش! یہ قرآن ہمیں زندگی میں یاد آتا، ہمیں اپنے بزنس کے وقت یاد آتا، دفتر کی کرسی پر یاد آتا، ہمیں قلم سے دستخط کرتے ہوئے یاد آتا، میاں بیوی کے معاملات میں قرآن یاد آتا۔

غلبہ کیسے ممکن ہے؟

جب قرآن نازل ہو رہا تھا اس وقت دشمن ایک دوسرے کو بیٹھ کر تلقین کرتے تھے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس وقت تم شور غل مچایا کرو "لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ" (تاکہ تم غالب آجاؤ) مگر قرآن نے بتادیا کہ غلبہ اس طرح نہیں ملتا۔غالب ہونے

کے لئے تو قرآن کو بھیجا گیا۔ جو لوگ اس کے مطابق اپنی زندگی گزاریں گے رب کریم انہیں دنیا میں بھی غلبہ عطا فرمائیں گے اور آخرت کی عزتیں بھی عطا فرمائیں گے۔ کیونکہ یہ کتاب صداقتوں کا مجموعہ، حقیقتوں کا خزانہ اور سچائیوں سے بھری ہوئی کتاب ہے۔ جسے Ultimate realities of universe یعنی کائنات کی صداقتیں کہتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کو جو غلبہ ملا اسی قرآن کے صدقے ملا۔ ورنہ ابتداء میں تو وہ وقت تھا جب کفار کثرت میں تھے اور صحابہ کرامؓ بہت تھوڑے تھے، اس وقت کنڈی لگا کر ایک دوسرے کو کلمے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ رب کریم اپنا احسان جتلاتے ہوئے فرماتے ہیں" وَاذْكُرُوْا "تم یاد کرو اس وقت کو" اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ "جب تم تھوڑے تھے" مُسْتَضْعَفُوْنَ فِيْ الْاَرْضِ "زمین میں کمزور تھے" تَخَافُوْنَ "تم ڈرتے رہتے تھے" اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ "کہ کہیں لوگ اچک نہ لیں" فَاٰوٰكُمْ "اس اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا" وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ" اور اپنی مدد سے تمہیں مضبوط کیا" وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ "اور خدا نے تمہیں پاکیزہ رزق دیا" لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" تاکہ تم اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتے رہو۔

اعلان خداوندی :-

کفار تو چاہتے تھے کہ کسی طرح اس پودے کو کاٹ کے رکھ دیں مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ"وہ ذات جس نے اپنے رسول کو نور ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا" لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ " تاکہ یہ دین دنیا کے تمام ادیان پر غالب آجائے۔" وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ "خواہ یہ بات مشرکوں کو اچھی نہ لگے،" وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ "خواہ کافروں کو یہ بات

اچھی نہ لگے۔اس لئے اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے فرمارہے ہیں کہ تم نے کفار سے نہیں ڈرنا۔ اللہ تعالیٰ کفار کے مذموم عزائم سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں، "یُرِیْدُوْنَ "وہ یہ ارادہ کرتے ہیں" لِیُطْفِئُوْا نُوْرَا للّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ "کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھادیں مگر اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ " وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ "اللہ نے اس نور کو کامل کرنا ہے" وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ "اگر چہ کافروں کو یہ بات اچھی نہ لگے۔ سبحان اللہ، جس نور کو اللہ تعالیٰ روشن فرمائیں دنیا اس کو اپنی پھونکوں سے کیسے بجھا سکتی ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

کفار کی لاحاصل تدبیریں :-

کفار نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بڑی تدبیریں کیں کہ نبی اکرم ﷺ کو شہید کردیں۔جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" وَاِذْیَمْکُرُبِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا "اے محبوب! جب آپ کے ساتھ کفار نے مکر کیا کہ ہر قبیلے کا ایک آدمی آجائے، رات کو گھیرا کرلیں گے، صبح جب نماز کے لئے جائیں گے تو ہم ان کو شہید کردیں گے۔ کفار کی تدبیر بھی کوئی معمولی باتیں نہیں ہوتی تھیں، وہ بڑے ذہین لوگ تھے، بیٹھ کر پکی منصوبہ بندی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" وَاِنْ کَانَ مَکْرُھُمْ لِتَزُوْلَ مِنْہُ الْجِبَالُ" وہ ایسی تدبیریں کرتے تھے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔ مگر فرمایا "وَمَکْرُ اُولٰئِكَ ھُوَ یَبُوْرُ" اللہ تعالیٰ ان کی تدبیروں کو ضائع کردیا کرتے تھے۔ اپنے محبوب ﷺ کو تسلی دیتے ہیں۔ فرمایا" قَدْ مَکَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ" میرے محبوب! انہوں نے آپ سے پہلے والوں کے ساتھ بھی تدبیریں کیں "فَاَتَی اللّٰہُ

بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ "لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دیواروں کو بنیادوں سے ہی اکھاڑ پھینکا "فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ "ان کی چھتیں ان پر آگریں "وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ "ان پر ایسا عذاب آیا"مِنْ حَيْثُ لاَ يَشْعُرُوْنَ"جس کا وہ شعور بھی نہیں رکھتے تھے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا" وَاِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" جب آپ کے ساتھ ان کافروں نے تدبیر کی" لِيُثْبِتُوْكَ "کہ آپ کو جس بجا میں رکھیں"اَوْ يَقْتُلُوْكَ "یا آپ کو شہید کریں"اَوْ يُخْرِجُوْكَ" آپ کو دلیں نکالا دے دیں" وَيَمْكُرُوْنَ"انہوں نے بھی تدبیریں کیں"وَيَمْكُرُاللّٰهُ" اور اللہ نے بھی تدبیریں کیں "وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ "اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو کفار سے کیسے بچالیا۔

میرے دوستو! ہم قرآن کو سینے سے لگائیں گے، کافر اگر پھر بھی ہمارے خلاف تدبیریں کریں گے تو پروردگار ان کی تدبیروں کو ضائع کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" فَلاَ تَهِنُوْا "تم ست نہ ہو "وَلاَ تَحْزَنُوْا" اور تم اپنے اندر غم بھی پیدا نہ کرو۔" وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ" تم ہی اعلیٰ وبالا ہو گے اگر تم ایمان والے ہو گے۔

مومن کے ساتھ غلبے کا وعدہ ہے قرآن میں
تو مومن ہے اور غالب نہیں تو نقص ہے ترے ایمان میں

یہ ہمارے ایمان کا نقص ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہم دنیا میں مغلوب ہو کر زندگی گزارتے ہیں ورنہ رب کریم تو ہمیں غلبہ عطا کرنا چاہتے ہیں۔

کفار کی مایوسی :-

جس دن قرآن کی آخری آیتیں اتریں " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ"، اسی دن قرآن کی یہ آیتیں بھی اتریں "اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ "آج کے دن یہ کفار تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ یہ مسلمان تو لوہے کے چنے ہیں انہیں چبانا کوئی آسان کام نہیں ہے، ان کی امیدیں ٹوٹ چکی ہیں، وہ تم سے مایوس ہو چکے ہیں، آگے فرمایا "فَلَا تَخْشَوْهُمْ "تم نے ان سے نہیں ڈرنا "وَاخْشَوْنِيْ "ایک مجھ سے ڈرتے رہنا۔ اور جب تک ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں گے رب کریم ہماری مدد فرماتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد :-

یاد رکھیں کہ جس پلڑے میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا وزن آجاتا ہے وہ پلڑا ساری کائنات سے زیادہ بھاری ہو جاتا ہے۔ رب کریم فرماتے ہیں" كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ کتنی بار ایسا ہوا کہ ایک تھوڑی جماعت" غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ "ایک بڑی جماعت پر غالب آگئی، اللہ کے حکم سے "وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ "اللہ تعالیٰ تو صبر و ضبط والوں کے ساتھ ہے۔ اگر اس کا مفہوم بیان کیا جائے تو یوں بنے گا کہ کتنی بار ایسا ہوا کہ اللہ نے چڑیوں سے باز مروا دیئے۔ لہٰذا اگر ہم کفار کو اس وقت قوی اور کثیر دیکھتے ہیں تو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ قرآن کو سینوں سے لگا لیجئے، قرآن کے مطابق زندگی کو ڈھال لیجئے، رب کریم بدر والی مدد عطا فرمادیں گے۔ رب کریم نے فرمایا "لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ" ، "لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ" اللہ تعالیٰ ہماری مدد و نصرت کا وعدہ فرمارہے ہیں، مزید فرمایا "اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا "اپنے رسولوں کی مدد ہمارے ذمے ہے "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا "اور

ایمان والوں کی بھی "فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا "اس دنیا کی زندگی میں بھی "وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْہَادُ" اور اس دن بھی جس دن گواہیاں قائم ہوں گی۔ جب اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مدد اپنے ذمے لے رہے ہیں تو ہمیں پھر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

اتنی بڑی گارنٹی..........!!!

عزیز طلباء! ہم اپنے دشمنوں کو نہیں پہچانتے۔ رب کریم فرماتے ہے "وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَائِکُمْ "اے ایمان والو! تم اپنے دشمنوں کو نہیں جانتے، تمہاری صفوں میں منافق بھی ہوں گے، تمہاری صفوں میں بھیس بدل کر آنے والے جاسوس بھی ہونگے۔ تمہیں کیا معلوم کہ جس سے تم بات کر رہے ہو وہ تمہارا دوست ہے یا دشمن۔ مگر تمہارا رب جانتا ہے۔ وہ تو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔ .... جب ہمارا پروردگار ہمارے دشمنوں کو جانتا ہے تو یاد رکھنا" وَلَنْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا" کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی کافروں کو ایمان والوں تک آنے کا راستہ نہیں دے گا۔ سبحان اللہ، رب کریم نے کتنی بڑی گارنٹی دے دی۔ اللہ تعالیٰ ان کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گا۔ جیسے ہم ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ارے! تم میرے دوست تک جاؤ گے تو میری لاش سے گزر کر جاؤ گے، بالکل یہی مضمون رب کائنات بیان فرما رہے ہیں کہ اے مومنو! جو تم تک آئے گا وہ پہلے مجھ سے نمٹے گا پھر تم تک آئے گا، اور جو مجھ سے ٹکراتا ہے میں اسے پاش پاش کر دیتا ہوں، میں اسے ننگی کا ناچ نچادوں گا، میں اسے نیست و نابود کر دوں گا۔

جنگ خندق میں نصرت خداوندی :-

جنگ خندق میں جب مکہ سے لے کر مدینہ تک کے راستے کے جتنے کفار تھے سارے کے سارے مل کر آگئے تھے، اس وقت مسلمان تھوڑے تھے اور کافر بہت

زیادہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم تو مسلمانوں کو ختم کر کے رکھ دیں گے۔ ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا مگر ان کے پلے کچھ نہ آیا۔ پروردگار عالم فرماتے ہیں " وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ "اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غیض (غصہ) کے ساتھ واپس لوٹا دیا۔" لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا "ان کے پلے کوئی خیر نہ آئی۔ حقیقت یہ تھی ہمارے سلف صالحین صحابہ کرامؓ کا یہ تقویٰ اور پرہیزگاری تھی جس کی وجہ سے ان پر کفار غالب نہ آسکے۔

ظاہر و باطن کو نکھارنے کا نسخہ :-

عاجز کے پیر و مرشد عجیب بات ارشاد فرماتے تھے کہ تیرے ہاتھ میں ہو قرآن تو دنیا میں رہے پریشان...... تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے ناکام...... تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے غلام...... غلامی نفس کی ہو، شیطان کی ہو یا کسی انسان کی ہو...... ناں ناں ناں...... ہمیں کہتا ہے یہ قرآن...... اے میرے ماننے والے مسلمان......" اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ "تو پڑھ قرآن تیرا رب کرے گا تیرا اکرام...... تیرا رب تجھے عزت ووقار دے گا، تیرے ظاہر و باطن کو نکھار دے گا۔ مگر ہماری حالت اس قدر قابل رحم ہو چکی ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ قیامت کے دن کہیں گے" يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا "اے میرے پروردگار! میری قوم نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ لہٰذا آج سے ہی قرآن سے محبت کر لیجیے۔ اس سے اپنے روحانی امراض کو ٹھیک کر لیجیے۔

نسخہ ء شفاء :-

غور تو کیجیے کہ نسخہ ء شفا بھی ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہمارے ہی سینے میں بیماریاں موجود ہیں۔ کینہ کی، بغض کی، حسد کی، کبر کی۔ جب قرآن سینوں میں آجائے گا تو

یہ ساری کی ساری روحانی بیماریاں ختم ہو جائیں گی۔ نسخہ بھی ہمارے ہاتھ میں ہے اور مرتے بھی ہم ہی ہیں۔ کیا آج کے مسلمان کو کوئی سمجھانے والا نہیں کہ تم اس نسخے سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔ ارے یہ نسخہ ء شفاء ہے جو اللہ نے تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ آیئے قرآن سے پوچھیں کہ تم کیسے شفاء دیتے ہو؟ قرآن بتائے گا

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ ٥ شِفَاءٌ لِمَا فِيْ الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَ رَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ٥ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَ رَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلاَ يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلاَّخَسَارًا ٥قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَ شِفَاءٌ ٥

یہ نسخہ ء شفاء ہے جو سینوں کو دھو دیا کرتا ہے۔ مگر اس صابن کو استعمال تو کرو یہ میل اتر جائے گی، یہ سینے دھل جائیں گے۔ مگر دل کو اجلا بنانے کے لئے قرآن کو زبان سے نیچے اتارنا ہوگا، فقط زبان تک نہ رکھنا، اسے دل تک اتار لینا، یہ دل تک اتر گیا تو پھر دل کو نورانی بنا دے گا۔

رب کریم! ہمیں قرآن پاک کا حافظ بنا دے، عالم بنا دے، ناشر بنا دے، عاشق بنا دے، قرآن کو ہمارے دلوں کی بہار بنا دے۔ (آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن ٥

تصوف و سلوک

پیر طریقت
رہبر شریعت
حضرت مولانا
ذوالفقار احمد
نقشبندی
مجددی
مدظلہ

کی

تصوف و سلوک کے موضوع پر لاجواب مدلل تصنیف

تصوف و سلوک کا مطالعہ کرکے شکوک و شبہات دور کیجئے

ناشر: مکتبہ جامعة الحبیب فیصل آباد